ھٰذا بلاغ للناس
ماہنامہ
البلاغ
کراچی
سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

صفر المظفر ۱۳۸۸ھ

مئی ۱۹۶۸ء

دار العلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ البلاغ کراچی

فی پرچہ ۵۶ پیسے ——— سالانہ چھ روپے

ممالک غیر سے ——— ایک پونڈ سالانہ

بذریعہ ہوائی ڈاک ۲ پونڈ

ڈاک کا پتہ

"البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴

فون ——— ۳۸۱۱۷

ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ

مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر

(بھارت)

محمد تقی عثمانی

استاذ دار العلوم کراچی

مدیر انتظامی

خلیل الرحمن نعمانی مظاہری

ناظم نشر و اشاعت دار العلوم
کراچی ۱۴

جلد ——— ۲

شمارہ ——— ۲

ترتیب

عنوان	مصنف	صفحہ
ذکر و فکر	محمد تقی عثمانی	۳
معارف القرآن (جز)		
شہاب ثاقب کی حقیقت	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۸
درسگاہ رسالت		
تقدیر پر ایمان	مولانا سلیم اللہ صاحب	۱۱
مقالات و مضامین		
مکتوب نبویؐ بنام کسریٰ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب	۱۵
مسلمانوں کے زوال کے اسباب	مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی	۱۹
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے کارنامے	پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی	۲۸
سخن راست	خواجہ محمد شفیع دہلوی	۳۱
دارالعلوم دیوبند اور اس کا پس منظر	ملا واحدی دہلوی	۳۴
اسلامی مساوات	جناب حفیظ اللہ پھلواروی	۳۷
مکتوبات مولانا عبدالشکور لکھنوی	جناب محمد ایوب قادری	۳۹
ہلالی دنیا		
پروفیسر ابراہیم حسن (انڈونیشیا) سے ایک انٹرویو	محمد تقی عثمانی	۴۳
شعر و ادب		
دلم کیف یابد ز نام محمدؐ	جناب کلیم زیدی	۴۸
شمع حرم	جناب عزیز کیرانوی	
مستقل عنوانات		
خواتین اسلام سے	مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری	۴۹
آپ کے سوال	مولانا محمد رفیع عثمانی	۵۲
یہ مغربی تہذیب ہے	جناب محمد معروف	۵۵
نقد و تبصرہ	ادارہ	۵۶
طلبہ کی محفل	محمد عثمان حیدرآبادی	۵۹
احاطۂ دارالعلوم میں	جناب محمد معروف	۶۴

ذکر و فکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سادگی اختیار کیجئے

حمد و ستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب نے اپنے ایک حالیہ بیان میں اعلیٰ افسروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ سماجی، مذہبی اور خاندانی تقریبات پر فضول خرچی سے گریز کریں، گورنر، وزراء، سکریٹریوں اور مرکزی حکومت کے دوسرے اعلیٰ افسروں کے نام ایک ذاتی مراسلے میں انھوں نے کہا ہے کہ اس نازک موقع پر جبکہ قوم اپنے وسائل کو صحتمند اور مثبت مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کر رہی ہے، فضول اخراجات کرنا انحطاط پذیر قوموں کے نقش قدم پر چلنے کے مترادف ہے، لہٰذا سرکاری افسروں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی تقریبات میں نہ صرف خود احتیاط کریں بلکہ اپنے ماتحتوں اور ان لوگوں کو جن سے وہ ملتے ہیں، یہ فضول خرچی بند کرنے کی تلقین کریں۔

صدر نے خواتین کو بھی سادگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارا مذہب بھی ہمیں روزانہ زندگی میں فضول خرچی سے احتراز اور سادگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فضول خرچی ناکارہ اور انحطاط پذیر قوموں کا شعار رہی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اعلیٰ افسر اپنے ماتحتوں کیلئے بہتر مثالیں قائم کرنے کے بجائے شادی بیاہ کے موقع پر بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ دلہن کے کپڑوں اور بعض اوقات دولہا کے کپڑوں پر بھی فضول اخراجات کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں عورتوں کو خاص کردار ادا کرنا چاہیے، عورتیں شادی بیاہ کے موقع پر صرف نمائش کی غرض سے زیادہ اخراجات کرتی ہیں، اگر تعلیم یافتہ عورتیں ان اخراجات میں احتیاط برتیں گی تو دوسری خواتین بھی ان کی پیروی کریں گی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ اپریل ۱۹۶۶ء)

صدر نے اپنے اس بیان میں بلاشبہ قوم کی ایک بنیادی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے اور ملک کے ہر طبقے کی طرف سے عملاً اس آواز کا پرجوش خیر مقدم ہونا چاہیے، اس وقت ہم جن معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے بیشتر صرف اس وجہ سے ہمارے لئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں کہ ہم بڑی تیز رفتاری کے ساتھ عیش پرستی، عافیت کوشی اور تکلفات پسندی کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں، اور ہماری جو توانائیاں ملت کی تعمیر و ترقی کے بلند مقاصد میں صرف ہونی تھیں، ہم انھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ، فضول آرائش و زیبائش اور عیش و طرب کی محفلوں پر خرچ کرنے لگے ہیں، ہماری قومی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ان تعیشات اور تکلفات پر صرف ہو رہا ہے جن کو اختیار کرنا ہمارے لئے "گھر پھونک تماشا دیکھنے" کے مرادف ہے۔

عیش پرستی، عافیت کوشی اور تکلفات پسندی یوں تو ہر قوم کے لئے تباہ کن ہوتی ہے، خواہ وہ اپنے عروج و اقبال کی کسی بھی منزل میں ہو، لیکن خاص طور سے اس قوم کیلئے تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے جو ابھی اپنی ترقی کی ابتدائی سیڑھیاں طے کر رہی ہو، جو قوم دنیا میں سربلندی، عزت اور آزادی چاہتی ہے اسے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں انتھک محنت کرنی پڑتی ہے۔ راحت و آرام کو خیرباد کہنا پڑتا ہے، سادہ طرز معاشرت کو اپنانا پڑتا ہے۔ اور اس طرح ایک عرصۂ دراز تک جہد و عمل کے خارزاروں میں چل کر وہ اس قابل ہوتی ہے کہ دنیا میں اپنے لئے کوئی باعزت مقام حاصل کر سکے، اقوام عالم کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس "دارالعمل" میں صرف وہ قومیں اپنے عروج و اقبال کے پرچم لہرا سکی ہیں جنھوں نے محنت اور جفاکشی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔

تاریخ اسلام پر ہی ایک نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے لرزتے ہوئے ایوان اس وقت دکھلائے گئے تھے جب وہ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودنے میں مصروف تھے، باطل کی طاغوتی قوتوں پر مسلمانوں کی دھاک اس وقت بیٹھی تھی جبکہ اللہ کا محبوب ترین پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک چھپر کے نیچے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھا، غسّان کے صاحب جبروت بادشاہ نے اس وقت مسلمانوں کا لوہا مانا تھا جب ان کے پاس تبوک تک پہنچنے کے لئے پوری سواریاں بھی نہیں تھیں، اور ابو ذر غفاریؓ پیتے ہوئے صحراؤں میں پیدل روانہ ہو گئے تھے۔ اور یرموک اور قادسیہ کے معرکوں میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم اس وقت چومے تھے جبکہ مسلمانوں کا امیر اور تقریباً نصف دنیا کا حکمران ایک درخت کے نیچے پتھر پر سر رکھ کر سو جایا کرتا تھا۔

پھر تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جوں جوں مسلمانوں میں عافیت کوشی اور تکلفات پسندی آتی گئی، اسی نسبت سے وہ پستی اور زوال کی طرف لڑھکتے چلے گئے، ان کا زوال اس وقت شروع ہوا جب دنیوی راحت و آرام کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر گئی، انھوں نے میدان کارزار کی صفیں ترتیب دینے کے بجائے محلات میں بیٹھ کر شطرنج کی بساطیں جمانی شروع کر دیں، وہ گھوڑوں کی پشت سے اٹھ کر بستر آرام سے جا لگے۔ انھوں نے بدن سے لوہے کی زرہیں اتار کر ریشم و کمخواب کے قمیص پہن لئے، اور ان کے کانوں کو تلوار کی جھنکار کے بجائے طاؤس و رباب کی تانیں پسند آنے لگیں۔

سرور کائنات، محسن انسانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت نے اس خطرے کو بہت پہلے محسوس فرما لیا تھا، آپ نے صحابۂ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

فَوَاللّٰہِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ أَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا وَتُھْلِکَکُمْ کَمَا أَھْلَکَتْھُمْ

(متفق علیہ) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰ کراچی)

"خدا کی قسم! مجھے تم پر فقر و افلاس کا کوئی خوف نہیں، لیکن مجھے اندیشہ یہ ہے کہ تم پر دنیا (اسی وسعت کے ساتھ) پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر پھیلا دی گئی تھی، پھر تم اس سے اسی طرح دل لگا لو جس طرح انھوں نے لگایا تھا اور وہ تمہیں اسی طرح ہلاک کر دے جس طرح ان کو ہلاک کیا تھا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی ہدایات کا نتیجہ تھا کہ آپ کے بعد صحابۂ کرامؓ نے بڑے بڑے ممالک فتح کئے، قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہوئے، لیکن ان کی زندگی ہمیشہ سادہ اور بے تکلف رہی۔ علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت عمارہ بن خزیمہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب بھی کوئی گورنر مقرر فرماتے تو اس کو یہ ہدایت نامہ دیتے تھے کہ:

"ان لا یرکب برذونا ولا یاکل نقیا ولا یلبس رقیقا ولا یغلق بابہ دون حاجات المسلمین

وہ عربی النسل گھوڑے پر سوار نہ ہوں، اور چھنا ہوا میدہ نہ کھائیں اور باریک لباس نہ پہنیں اور لوگوں کی حاجات کو روکنے کے لئے اپنا دروازہ بند نہ کریں (سیرۃ عمر بن الخطابؓ لابن الجوزی رح ص ۱۰۰ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ)

ہمیں آزادی حاصل ہوئے ابھی بیس سال ہوئے ہیں، اور ہم اپنی تعمیر و ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے ہیں، اس مرحلے پر ہمارے لئے وقت کا اہم ترین تقاضا یہ تھا کہ ہم عیش پرست، عافیت کوش اور آرام طلب بننے کے بجائے جفاکش اور محنت شعار بنیں، تکلفات کی مصنوعی زندگی سے مکمل پرہیز کر کے سادہ طرز معاشرت اختیار کریں، اور اللہ نے جو وسائل ہمیں عطا کئے ہیں انہیں فضول اور بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کی بجائے ان مقاصد میں صرف کریں جو ہماری تعمیر و ترقی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ——— لیکن افسوس ہے کہ ہم اپنے دین اور اپنی تاریخ کے اس اہم ترین سبق سے روز بروز منہ موڑتے جارہے ہیں۔

ہم نے اپنی سادہ معاشرت کو چھوڑ کر سات سمندر پار سے وہ معاشرت درآمد کی ہے جو ہمارے لئے مہنگی بھی ہے اور نقصان دہ بھی، ہمارے قومی و اجتماعی مفاد کے خلاف بھی ہے اور ہماری تہذیبی اقدار کے منافی بھی، چنانچہ ہم میں سے ہر شخص جسے اللہ نے کچھ مال و دولت عطا کیا ہے، ہر وقت اس فکر میں مبتلا ہے کہ کسی طرح وہ اپنے بدن، اپنے لباس، اپنے گھر، اپنی اولاد اور اپنے کاروبار کو شکل و صورت کے اعتبار سے مغرب کی ہوبہو تصویر بنالے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری شب و روز کی دوڑ دھوپ صرف اس مقصد کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے کہیں سے آمدنی کا کوئی مزید ذریعہ پیدا ہو جس کے ذریعہ اپنی تشنۂ تکمیل خواہشات کا پیٹ بھرا جاسکے، پھر چونکہ عیش پرستی کی یہ خواہشات اتنی غیر متناہی ہیں کہ ان کا تسلسل کسی مرحلے پر ختم نہیں ہوتا، اس لئے انہیں پورا کرنے کے لئے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا کوئی امتیاز اب باقی نہیں رہا، "کچھ اور" کی تمنا کبھی انسان کو رشوت لینے پر مجبور کرتی ہے، کبھی قمار بازی اور سود خوری کی طرف لیجاتی ہے، کبھی اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز کاروبار پر آمادہ کرتی ہے، اور آج تو حال یہ ہو چکا ہے کہ جتنے جرائم ہمارے معاشرے میں سرزد ہوتے ہیں، ان میں سے بیشتر کے پیچھے مال و دولت کی یہی ہوس منہ کھولے نظر آتی ہے۔

اپنے گرد و پیش پر نظر ڈال کر دیکھئے زراندوزی کی دوڑ میں لوگوں کا کیا حال بنا ہوا ہے؟ آج ہر شخص اس فکر میں سرگرداں ہے کہ وہ کسی طرح اس دوڑ میں دوسروں سے آگے نکل جائے، یہ چیز دلوں میں حرص، بخل، حسد، بغض اور عداوت کو جنم دے رہی ہے۔ بھائی سے بھائی کی لڑائی ہے، دوست سے دوست جل رہا ہے، باپ کو بیٹے کی اور بیٹے کو باپ کی کوئی پروا نہیں رہی، اور نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے ——— یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہر شخص کو سوسائٹی میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لئے شاندار اور تازہ ترین (Up-to-date) لباس کی ضرورت ہے، پر تکلف فرنیچر اور آراستہ بنگلے کی ضرورت ہے، ٹیلی ویژن اور ریفریجریٹر کی ضرورت ہے، جدید ترین نمونے کی کار کی ضرورت ہے اور ہر اس چیز کی ضرورت ہے جس کے بغیر اب وہ "مہذب" اور "متمدن" کہلانے کا مستحق نہیں رہا، "ضرورتوں" کی یہ فہرست کسی مرحلہ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ بدلتے ہوئے فیشن اس فہرست کو بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔

کیا کبھی ہم نے اس بات پر غور کیا کہ جو ملک ابھی اپنے پورے باشندوں کو ضروری غذا مہیا کرنے کے قابل نہ ہو اس کے بسنے والوں کو کیا حق ہے کہ وہ قومی دولت کا ایک بڑا بھاری حصہ محض آرائش و زیبائش کی فضول اشیاء پر خرچ کر ڈالیں، جو قوم اپنی حریت اور آزادی کے دفاع کے لئے ابھی غیروں کی دست نگر ہو، اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کروڑوں روپیہ کا زرمبادلہ ٹیلی ویژن کی عیاشی پر لٹا دے؟ جس قوم کی زراعت، صنعت، تجارت، غرض زندگی کی ہر بنیادی ضرورت دوسروں کی "امداد" پر موقوف

وہ کس منہ سے اپنے لئے پُر تکلف لباس، آراستہ بنگلوں اور ایئرکنڈیشنڈ عمارتوں کا مطالبہ کرتی ہے؟

ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم عیش و تنعم اور تکلفات کی اس مصنوعی زندگی سے دستبردار ہو کر سادہ طرزِ معاشرت کو اختیار کرلیں، اور مغربی معاشرت کی فضول خرچیوں سے اُسی حقارت کے ساتھ منہ موڑ لیں جس کی وہ مستحق ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم برق رفتاری کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی صلاحیت پیدا نہ کرسکیں؟ حساب لگایا جائے تو شاید ہمارا اربوں روپیہ ہماری اس احمقانہ عیش پرستی کی نذر ہوتا ہے، اگر دولت کی یہ مقدار ملک کی بنیادی ضروریات پر خرچ ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس "غیر ملکی امداد" کی احتیاج سے آزاد نہ ہوسکیں جس کی ہمیں بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔

چین کی مثال ہمارے سامنے ہے جس نے تقریباً ہمارے ساتھ آزادی حاصل کی تھی اور آج وہ دنیا کی عظیم طاقتوں کی صف میں کھڑا ہے، یہ سب اس لئے ممکن ہوا کہ اس نے کسی کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اپنے لئے جہد و عمل کی راہیں خود متعین کی تھیں اس نے عیش و آرام اور ظاہری تکلفات کو یکسر خیرباد کہہ کر جفاکشی اور محنت و مشقت کا راستہ اختیار کیا تھا، سادہ طرزِ معاشرت کو اپنا کر اپنی قومی خودداری کی حفاظت کی تھی، ایک مدت تک مغربی اقوام اس پر ہنستی رہیں، لیکن وہ ان کی ہنسی کی پروا کئے بغیر اپنی دھن میں لگا رہا یہاں تک کہ آج اس پر ہنسنے والوں کی ہنسی اضطراب میں تبدیل ہو چکی ہے۔

کاش! کہ ہم آج بھی اس بنیادی حقیقت کو سمجھ کر اپنے فکر و عمل کی باگ موڑ دیں تو ایک قلیل عرصے میں ہمارے بیشمار معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل کا حل خود بخود نکل سکتا ہے، مسرت کا مقام ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار کو اس طرف توجہ ہو رہی ہے، لیکن موجودہ زندگی کے بہتے ہوئے دھارے کا رخ صحیح طور سے اسی وقت مڑ سکتا ہے جب ہمارے سیاسی رہنما "سادگی" کی اس دعوت کو ایک قومی تحریک کی شکل دے کر آگے بڑھائیں، اور اس تحریک کی ابتدا سب سے پہلے اپنے آپ سے کریں گذشتہ بیس سال میں پاکستانی مسلمانوں نے کئی بار یہ ثابت کر دیا ہے کہ وقت آنے پر جہد و عمل کے میدان میں وہ کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں ہیں، اور اگر ان کے قومی شعور کو بیدار کیا جائے تو وہ ایسا حسین اجتماعی کردار پیش کرسکتے ہیں جو دوسروں کے لئے قابلِ رشک ہو، ضرورت ان سے کام لینے اور ان کے فکر و عمل کو صحیح رُخ پر لگانے کی ہے، اگر ہمارے ارباب اقتدار اس طرف کماحقہ، توجہ دیں گے تو امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قوم ایثار و قربانی کی روشن مثالیں قائم کرے گی۔

ایک خبر ملاحظہ فرمایئے:

> جھنگ ۳ را پریل (پ پ ا) گذشتہ روز یہاں ایک بوڑھی عورت ایک بے حس شر پسند کے مذاق کا شکار ہوگئی اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی، اپریل کی پہلی تاریخ کو ایک نامعلوم شخص اس بڑھیا کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ اس کا بیٹا جو میو اسپتال لاہور میں زیر علاج تھا، فوت ہوگیا ہے اور اس کی میت جھنگ لائی جارہی ہے، وہ بڑھیا جو اس بات سے بے خبر تھی کہ اسے اپریل فول بنایا جارہا ہے، اپنے بیٹے کی موت کی فرضی خبر سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی اور تھوڑی دیر بعد چل بسی"
>
> (جنگ کراچی ۵ را پریل ۱۹۶۸ء)

یہ ہے مغرب کی اندھی تقلید کا نتیجہ! ــــ ہمارے یہاں ہر سال اپریل کے مہینہ میں اس قسم کے دو چار واقعات ضرور رونما ہوجاتے ہیں، اور یہ منحوس بدمذاقی نہ جانے ابتک کتنے بے گناہوں کی جان لے چکی ہے؟ یہ محض کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے

بلکہ اس بیمار ذہنیت کا لازمی نتیجہ ہے جو تقلید مغرب کو تہذیب کی علامت اور فخر و ناز کا سرمایہ سمجھتی ہے اور جس کے نزدیک بے گناہ انسانوں کو موت کے منہ میں ڈال دینا گوارا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک بد مذاق قوم کی اس انسانیت سوز اور احمقانہ رسم کو اپنے معاشرے سے دیس نکالا دیدیا جائے، جبتک اندھی تقلید کی اس گندی ذہنیت سے ہمیں نجات حاصل نہ ہوگی۔ اس قسم کے واقعات ہوتے رہیں گے، جس شخص نے "اپریل فول" منا کر ایک معصوم بڑھیا کی جان لے لی، آپ اسے لاکھ "بے حس" اور "شرپسند" کہتے رہئے، لیکن آپ کی معاشرت نے مجموعی طور سے جو ذہنیت تیار کی ہے، اور زندگی کے ہر شعبے میں جس طرح مغرب کو اپنا آئیڈیل بنایا ہے، اور اس کی غلط یا صحیح تقلید کو جس طرح اپنے مہذب ہونے کی علامت سمجھا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اس بیچارے کا یہ عذر بالکل واضح ہے کہ ؎

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردہ‌ٔ   باز می گوئی کہ دامن تر مکن، ہشیار باش

---

۱۶ محرم کو سرگودھا میں پاکستانی فضائیہ نے جن شاندار فنی کارناموں کا مظاہرہ کیا وہ صرف پاکستان کے لئے نہیں پورے عالم اسلام کے لئے باعث فخر ہیں، اور اس بات کا زندہ ثبوت کہ مسلمان جس میدان میں آگے بڑھنے کا عزم کر کے کمر ہمت باندھ لے، وہ دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں رہتا، ہم پاک فضائیہ کے جانبازوں کو اس کارنامے پر تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰے انہیں ظاہری و باطنی ترقیات عطا فرمائے اور دین و دنیا میں انہیں سربلند کرے، ہمیں امید ہے کہ ہمارے سپاہی اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں یہ بات یاد رکھیں گے کہ وہ مسلمان سپاہی ہیں اور انہیں اس مقام کی لاج رکھنی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

محمد تقی عثمانی

۲۲ محرم ۱۳۸۶ھ

معارف القرآن

سورۂ حجر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

شہاب الثاقب کی حقیقت

وحفظنها من كل شيطان رجيم ٥ الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين ٥

تفسیر آسمان کو (ستاروں کے ذریعہ) ہر شیطان مردود سے محفوظ فرما دیا (کہ وہاں تک ان کی رسائی نہیں ہونے پاتی) ہاں مگر کوئی بات (فرشتوں کی) چوری چھپے سن بھاگے۔ تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے۔

احکام و مسائل

شہاب ثاقب ان آیات سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں کے اندر نہیں ہو سکتی، ابلیس لعین کا تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت آسمانوں میں ہونا اور آدم و حوا علیہما السلام کو دھوکے میں مبتلا کرنا وغیرہ یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں اس وقت تک جنات و شیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا۔ نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد سے یہ داخلہ ممنوع ہوا۔ سورۂ جن کی آیات میں جو یہ مذکور ہے انا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک شیاطین آسمانوں کی خبریں فرشتوں کی باہمی گفتگو سے سن لیا کرتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں داخل ہو کر سنتے تھے۔ نقعد منها مقاعد کے الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چوروں کی طرح آسمانوں کے پاس چھپکر بیٹھ جاتے اور سن لیا کرتے تھے، ان الفاظ سے خود بھی یہی متشرح ہوتا ہے کہ قبل بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنات و شیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع ہی تھا مگر آسمانوں کے قریب تک پہنچکر چوری سے کچھ سن لیا کرتے تھے بعثت نبوی کے بعد حفاظت وحی کا یہ مزید سامان ہوا کہ شیاطین کو اس چوری سے بذریعہ شہاب ثاقب روک دیا گیا، رہا یہ سوال کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں کی گفتگو کو آسمانوں سے باہر شیاطین کس طرح سن سکتے تھے۔ سو یہ کوئی ناممکن چیز نہیں بہت ممکن ہے کہ اجرام سماویہ سماعت اصوات کو مانع نہ ہوں اور یہ بھی بعید نہیں کہ فرشتے کسی وقت آسمانوں سے نیچے اتر کر باہم ایسی گفتگو کرتے ہوں جس کو شیاطین سن بھاگتے تھے۔

دوسرا مسئلہ ان آیات میں شہاب ثاقب کا ہے، قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت

شیاطین کو مارنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔ اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہد نبوی کی خصوصیت ہے اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتشگیر مادے بھی ہوتے ہیں اوپر جا کر جب ان کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سلگ اٹھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارا ٹوٹا ہے، اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، عربی زبان میں بھی اس کے لئے انقضاض کوکب کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو اسی کا ہم معنے ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں زمین سے اٹھنے والے بخارات مشتعل ہو جائیں یہ بھی ممکن ہو اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے۔ اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو مگر بعثت نبوی سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لے لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہری رحمہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے فرمایا کہ ہاں اس پر اس نے سورۂ جن کی مذکورہ آیت معارضہ کے لئے پیش کی تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے مگر بعثت نبوی کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس رض خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صحابہ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کہتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونیوالا ہے، کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے اس کا کسی مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔

چلے آؤ

حضرت بایزید بسطامی رحمہ نے ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ پروردگار! آپ تک آنے کا راستہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا! "اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ"

درسگاہ رسالت

مولانا سلیم اللہ صاحب

والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ

تقدیر پر ایمان، ایمانیات کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا ہے، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالےٰ کے علم قدیم اور ازلی فیصلہ کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے اور ہوگا، جس طرح ایک انجینئر مکان بنانے سے پہلے اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھ کر نقشہ تیار کرتا ہے اور پھر اسی نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس مکان کی تعمیر کو مکمل کرتے ہیں اسی طرح کائنات کو پیدا کرنے والے نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول اور قواعد اور جزئیات طے کر کے فیصلہ کر دیا تھا اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ دنیا اور اس کے تمام واقعات انجام پا رہے ہیں۔ زندگی اور موت، مالداری اور فاقہ مستی کامیابی اور ناکامی، راحت اور تکلیف ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظاہر ہوتی ہے

وحی محمدی میں اس عقیدے کے لئے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک "قدر" جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا "قضا" جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر)

ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا (انعام-۱)

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا۔

یہ دونوں الفاظ اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو واضح کرنے میں بے مثال ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنے اندازہ سے فیصلہ کر دیا ہے اب اسی اندازہ اور فیصلہ کے مطابق یہ تمام کائنات چل رہی ہے اس میں خدا تعالےٰ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر سکتا آسمان کو جس طرح بنایا سورج کو جس طرح روشن کیا چاند کے لئے جو اصول مقرر کئے، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدیئے۔ زندگی اور موت، بقا اور فنا، عروج اور زوال غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین کر دیئے کائنات انہی پر چل رہی ہے، قرآن حکیم میں کائنات کے بہت سے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یٰس)

اور سورج اپنے ٹھہراؤ پر چل رہا ہے یہ ہو غالب

اور علم والے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کی ہم نے
تقدیر (اندازہ) کردی ہیں منزلیں یہاں تک کہ
وہ پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ ہو کر) لوٹتا ہے نہ
تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند کو پالے اور نہ
رات دن سے آگے بڑھنے والی ہے ہر ایک اپنے
مدار پر تیر رہا ہے۔

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا (حم سجدہ-۲)

اور زمین میں اس کی روزیوں کا اندازہ کیا۔

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا میں اس کی ہر چیز کا اس نے
ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق ۲)

اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ بنایا ہے

موت و حیات بھی اسی اندازے کے مطابق ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (واقعہ-۲)

ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ مقرر کیا۔

قضا و قدر کا یہ اصول جس طرح پوری کائنات پر حاوی اور
غالب ہے اسی طرح انسانوں کی ترقی اور زوال، زندگی اور
موت، تندرستی اور بیماری، دولت اور افلاس، آرام اور
تکلیف، سعادت اور شقاوت سب چیزیں اسی اصول کے
تحت میں داخل ہیں انسانوں کے لئے بھی کوئی حالت جو پیش
آتی ہے وہ خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (تغابن)

نہیں پہنچتی تم کو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ
وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ
إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ (فاطر)

اور کوئی عورت حمل نہیں رکھتی اور نہ جنتی ہے لیکن خدا
کے علم سے اور نہ کسی دراز عمر کو درازی ملتی ہو اور نہ
اس کی عمر کم کی جاتی ہے لیکن وہ کتاب میں ہے
بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔

قرآن حکیم نے قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت کیساتھ
اس کی اخلاقی اہمیت پر بھی زور دیا ہے، انسان کی حالت یہ
ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذراسی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ
میں چور ہو جاتا ہے اور ذراسی ناکامی پر وہ شکستہ دل ہو کر ہمت
ہار بیٹھتا ہے، یہ دونوں اخلاقی بیماریاں اس کو اس لئے لاحق
ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا
لازمی نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے وہ کبھی اپنے پر مغرور اور کبھی مایوس
ہوتا ہے اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت استقلال
اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کر دیتی ہیں اس لئے ایک
ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے وقت فخر و غرور اور
ناکامی کے وقت مایوسی اور حسرت کی مہلک بیماریوں سے
نجات دلا سکے، اسی کے لئے اسلام نے قضا و قدر کا یہ عقیدہ پیش
کیا ہے۔

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے وہ ہماری
کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے
فضل و کرم کا نتیجہ ہے اس لئے اس پر ہمارا فخر و غرور بیجا ہے
اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت
و مصلحت کا نتیجہ ہے اور ہمارے کاموں سے پہلے ہی ان کے نتیجے
علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے ہیں اس لئے ہم کو شکستہ دل
اور مایوس نہ ہونا چاہئے بلکہ اسی جوش و خروش اور سرگرمی سے
پھر از سر نو کوشش میں لگ جانا چاہئے۔

اس مسئلہ کی پوری وضاحت سورۂ حدید میں مندرجہ ذیل
آیت میں فرمائی گئی ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ
نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ
لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا

بِمَآ اٰتٰکُمْ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (حدید - ۳)

کوئی مصیبت نہیں آتی ملک میں اور نہ تم (اس ملک کے بسنے والوں) میں لیکن یہ کہ وہ ایک کتاب (الہی) میں اپنی پیدائش سے پہلے درج ہوتی ہے بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ تم اس پر جو تم سے جاتا رہے غم نہ کھایا کرو۔ اور جو تم کو (اللہ) دے اس پر اترایا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ نے قضا وقدر کے فلسفہ کو اس خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اس کی تائید کے لئے مزید کسی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں عین کامیابی اور فتوحات کے وقت خداوند عالم کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس اور نا امیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے وہ ہر حالت کو خداوند عالم کی طرف سے سمجھتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اس لئے ان کے دلوں میں وہ عزم اور پختگی ہوتی تھی کہ نہ اس کو پہاڑ روک سکتے تھے نہ سمندر بہا لیجا سکتے تھے حوادث کا طوفان اس کو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اس کو جلا سکتے تھے خطرات اور مشکلات کی ان کو ذرا پروا نہیں تھی وہ جانتے تھے کہ جن کے لئے موت لکھی ہے وہ میدان جنگ میں بھی مریں گے اور بستر راحت پر بھی اور جن کی موت کا مقرر وقت نہیں آیا وہ تلواروں کی دھاروں اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیں گے قرآن کا یہ فیصلہ ہر وقت ان کے سامنے ہوتا تھا۔

لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (توبہ - ۷)

ہم پر کوئی آفت آ ہی نہیں سکتی مگر جو خدا نے ہمارے لئے لکھدی وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔

غرضیکہ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی تہ میں مسلمانوں کی بے خوف بہادری اور بے مثال جرأت وعزم کا راز پوشیدہ رہا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ بعض لوگ اپنی کج فہمی سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ تقدیر پر صابر و شاکر رہنے سے انسان سست اور غافل بن بیٹھتا ہے اور قضا وقدر پر ایمان لانے سے ان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے چونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ انسان کی پھر اپنی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی اور وہ کلیۃً تقدیر کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ تو پھر لاکھوں پیغمبروں کا آنا، ان پر کتابیں نازل کرنا، ہدایت وارشاد کی تاکید پر تاکید، یہ ساری چیزیں فضول ٹھہرتی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی جو ہمارے لئے بہترین نمونہ مقرر کی گئی ہے۔ مسلسل جہاد اور برابر سعی وکوشش سے معمور زندگی ہے۔ پھر خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی مزید تصدیق ہوتی ہے تو کیا کوئی ذی ہوش یہ باور کر سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور عمل میں تضاد پایا جاتا ہے کہ تقدیر پر ایمان کی تعلیم دے کر آپ نے انسان کو اس کے مجبور محض ہونے کا احساس دلایا اور پھر مسلسل جہاد فرما کر اس کے خلاف نمونۂ عمل پیش کیا نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپ کی تعلیم اور عمل دونوں ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی صحیفۂ ربانی ہے جس نے پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اگر ایک طرف یہ بتایا کہ زمین وآسمان اور بر و بحر میں کوئی چیز نہیں جو خدا کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے درخت کا ایک پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر گر نہیں سکتا اور دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گروی ہے، اللہ تعالے نے اپنی ہمہ گیر قدرت

اور وسیع اختیار کے باوجود انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی ہے یہی ارادہ اور مشروط و محدود قدرت انسان کی ذمہ داری باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے اور اسی پر انسان کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر انسان اپنی جنت آپ بناتا اور اپنی دوزخ آپ مہیا کرتا ہے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (فصلت-۶)

جس نے نیک کام کیا، تو اپنے لئے کیا اور برا کام کیا تو اپنے لئے کیا، تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اور اسی لئے فرمایا۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف-۴)

سو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے

بہر کیف سعی اور کوشش انسان کا فرض ہے اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے۔ اسی طرح توفیق اور گمراہی کا ملنا بھی خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا (عنکبوت-۷)

اور جو ہماری (رضا) کے لئے کوشش کرتے ہیں البتہ ہم ان کو اپنا راستہ سوجھاتے ہیں۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (بقرہ-۳)

اور ہم اس سے گمراہ نہیں بناتے مگر انہی کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے۔

غرض توفیق کے لئے بھی پہلے انسان کا اپنا کوئی نیک عمل ہوتا ہے جو اس توفیق کو متوجہ کرتا ہے اور ضلالت و گمراہی بھی خوامخواہ مسلط نہیں کی جاتی اس سے پہلے بھی ضرور انسان اپنے اختیار سے کوئی نافرمانی کرتا ہے جو گمراہی اور ضلال میں زیادتی کا موجب بنتی ہے اس کی مثال بچہ کی طرح ہے۔ بچہ پہلے پہل چلنے اور بولنے کی خود کوشش کرتا ہے تو ماں باپ اس کو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں، بچہ پاؤں اٹھاتا ہے ماں باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر دو چار قدم اس کو چلاتے ہیں وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور بے معنی آوازیں نکالتا ہے تو ماں باپ اس کو بامعنی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں اس طرح بچہ اور ماں باپ دونوں کی کوشش سے وہ چلنا اور بولنا سیکھتا ہے اسی طرح تقدیر الٰہی اور انسانی عمل باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں جس جگہ کفار کے دلوں پر مہر کر دئے جانے اور گمراہ ہونے کا ذکر کیا ہے وہاں یہ تشریح بھی ساتھ کر دی کہ یہ خود ان کے کفر کا نتیجہ ہے

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء-۲۲)

بلکہ خدا نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر کر دی

مقصد یہ ہے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے کفر اختیار کرتا ہے تو دل سے حق کو پہچاننے اور اثر قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور یہی خدا کی مہر ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (صف-۱)

بس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ حکم نہ ماننے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف)

بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر زنگ بن گئے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (بقرہ-۲)

ان کے دلوں میں پہلے سے (نفاق کی) بیماری تھی تو خدا نے بیماری بڑھا دی۔

ان آیات میں سے ہر ایک آیت صاف بتا رہی ہے کہ انسان کی بدعملی پہلے ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا جوابی اثر ضلالت و گمراہی زنگ، مہر اور بیماری کا مسلط کر دینا بعد میں ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے جو حق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کفر اختیار

(بقیہ بر ص ۱۸)

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب
(پیرس)

آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک کسریٰ کے نام

ایک نئی دریافت

گذشتہ پانچ سال کے دورانِ علم سیرۃ النبیؐ کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ کسریٰ کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مکتوب گرامی کی دریافت ہوگئی ہے، مندرجۂ ذیل مضمون میں تاریخ و سیرت کے مشہور محقق جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) نے اس دریافت کے متعلق اپنی تحقیق کا اظہار فرمایا ہے، ہمیں مسرت ہے کہ اردو خواں طبقے کو اس مکتوب کے عکس اور اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون سے روشناس کرانے کی سعادت پہلی بار البلاغ کو حاصل ہو رہی ہے۔ ہم اس عنایت کے لئے ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں ——— ادارہ

دریافت ——— مئی ۱۹۶۳ء کی دسویں یا اس کے لگ بھگ زمانے میں ساری دنیا کے اچھے اخباروں نے بیروت کی یہ اطلاع شائع کی کہ وہاں کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے موروثی ذخیرے میں اصل مکتوب نبویؐ بنام کسریٰ دستیاب ہوا ہے۔

اس سے چند ماہ پہلے اس کا فوٹو رازہ میں پاریس کے لتب خانۂ عام کو وائے کے لئے بھیجا گیا تھا اور مجھ سے بھی وہاں رائے طلب کی گئی تھی۔

(بتاریخ ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء (مطابق ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ) کو بیروت کے روزنامۂ الحیاۃ میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس نامۂ مبارک کا فوٹو بھی چھاپا اور اس پر ایک تحقیقی مضمون بھی شائع کیا۔ چونکہ یہ دریافت انھیں نے کی اس لئے یہاں ان کے ضروری اقتباس درج کئے جاتے ہیں ضمناً یہ اشارہ کرتا چلوں کہ اس کے کوئی دو سال بعد مجھے بیروت جانے کا موقع ملا تو وہاں ہنری فرعون صاحب کی وفور عنایت سے اصل کے دیکھنے کا مجھے بھی شرف حاصل ہوا اس لئے کہیں کہیں اپنے مشاہدے کی کیفیت بھی بڑھاتا جاؤں گا۔

(ڈاکٹر صلاح الدین منجد صاحب لکھتے ہیں:

(الف) ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی کی یا تو خود اسے معلوم نہ تھا، یا یہ کہ اس نے اپنے اہل خاندان کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے، بہرحال ہنری فرعون کو ۱۹۶۲ء تک معلوم نہ تھا کہ یہ ایک مکتوب نبویؐ ہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس

نے یہ صلاح الدین منجد کے سپرد کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں

(ب) یہ ایک رَق (جھلی) ہے جو ایک سبز کپڑے[1] پر جس کا رنگ مرور زمانہ سے تبدیل ہو گیا ہے، چسپاں ہے اور کپڑا بھی مالیدہ ہو گیا ہے، اور یہ سب ایک کانچ کے فریم میں جڑا ہوا ہے، مزید برآں:

(۱) جھلی پرانی اور نرم ہے، اور گہرے خاکی رنگ کی ہے، اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔ یہ (۲۸) سنٹی میٹر لمبی اور (۲۱ ½) سنٹی میٹر چوڑی ہے۔

(۲) یہ جھلی مستطیل سی ہے مگر چوڑائی یکساں نہیں، اوپر زیادہ چوڑی ہے نیچے کم۔

(۳) اس پر عبارت (۱۵) سطروں میں ہے مگر کوئی سطر (۳ ½) سم ہے تو کوئی (۲۱ ½) سم

(۴) عبارت کے نیچے ایک گول مہر ہے جس کا قطر (۳) سم ہے

(۵) جھلی کے نچلے حصے نے پانی کا مار کھایا ہے جس کے باعث بعض جگہ (حروف یا) الفاظ مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدہم ہو گئے ہیں۔ مہر کی عبارت مٹ گئی ہے بجز حرف "ر" کے جو مہر کے وسط میں ہے جو غالباً لفظ "رسول" کی بقایا ہے۔[2]

(۶) اس جھلی کو کسی نے پھاڑنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ وہ تیسری سطر دائیں طرف سے وسط تک چیری گئی ہے پھر طولاً دسویں سطر تک پھٹی ہے، اس پھٹن کی شکل (⅂) ہے۔

(۷) اس پھٹن کو بعد میں کسی نے مہین جھلی سے ٹانکے لگا کر سی دیا ہے

(۸) قدیم ترین عربی کتبہ اسلامی عہد میں وہ ہے جو مدینہ منورہ میں جبل سلع پر ہے اور جس میں ابو بکر، عمر اور علی رض کا نام ہے اور جو سنہ ۴ ہجری کا ہے۔[3]

) صلاح الدین منجد نے لکھا ہے کہ وہ علم رسم الخط کے نقطۂ نظر سے اس اصل مکتوب کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ مکرر لکھیں گے اور اس کے ہر ہر حرف کی جانچ کریں گے (مگر تا حال اس مضمون کے چھپنے کی اطلاع نہ ملی) ان کی رائے میں یہ مکتوب اصلی ہے۔

(اسی مضمون کا خلاصہ انھوں نے کراچی کے ماہنامہ "الوعی" میں بھی مع فوٹو کے شائع کیا ہے اور خود میں نے روما کے رسالہ RSO جلد ۴۰ سنہ ۱۹۶۵ء میں فرانسیسی میں ایک مقالہ چھاپا ہے جو وہاں صفحہ ۵۷ تا ۶۹ آیا ہے اور اس میں چار فوٹو ہیں)

اس اصل کی عبارت یوں پڑھی جاتی ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن

(۲) [ا] لرحیم من محمد عبد اللہ و

(۳) رسوله الی کسری عظیم فا

(۴) رس سلام علی من اتبع الهد

(۵) ی و آمن بالله ورسوله و

(۶) شهد ان [لا] اله الا الله و

(۷) حده لاشریك له وان محمد [اً]

(۸) عبده ورسوله ادعوك

(۹) بدعاية الله فانني انا رسو

(۱۰) ل الله الی الناس کافة

---

[1] جب میں نے ۱۹۶۵ء میں دیکھا تو یہ کپڑا نکال دیا گیا تھا اور صرف جھلی دو شفاف کانچوں کے بیچ میں رکھ کر بند کر دی گئی تھی۔

[2] خورد بین سے ذرا غور سے پڑھیں تو پورا لفظ "رسول اللہ" پڑھا جاتا ہے اور پانی کا مار صرف نچلے حصے میں نہیں اوپر سے نیچے تک جا بجا ہے۔

[3] صلاح الدین صاحب نے حوالہ نہیں دیا ہے، بہ ظاہر وہ میرے مضمون کی بنا پر ہے جو رسالہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۳۴ تا ۴۳۹ پر بعنوان "چند عربی کتبے مدینے میں ہجرت کے ابتدائی سالوں کے" چھپا ہے۔ صلاح الدین صاحب دو کتبوں کو خلط ملط کر رہے ہیں حضرت ابوبکر رض و عمر رض کا نام ایک کتبے میں ہے، اور حضرت علی رض کا دوسرے میں (تینوں نام ایک ہی کتبے میں نہیں ملتے) اور یہ سنہ ۴ ہجری کا نہیں بلکہ سنہ ۵ھ کا غزوۂ خندق کے زمانہ کا ہے۔ اس مضمون میں فوٹو کی اساس پر میں نے لکھا تھا کہ کتبے میں "علی بن ابو طالب" درج ہے لیکن ۱۹۳۲ء میں مکرر زیارت کا موقع ملا تو دیکھا ہے وہاں "علی بن ابی طالب" لکھا ہے اور میرے سابقہ فوٹو میں روشنی کے پھیلنے سے "ابی" کی جگہ "ابو" بن گیا ہے۔ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

بسم الله الرحمن الرحیم

مِن محمدٍ عبدِ اللهِ ورسولِهٖ اِلی کسریٰ عظیمِ فارس، سلامٌ علی مَن اتّبعَ الھدیٰ و اٰمنَ باللهِ ورسولِهٖ و شَھِدَ اَن لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدَهٗ لا شریکَ لهٗ واَنَّ محمدًا عبدُهٗ ورسولُهٗ اَدعوکَ بِدعایةِ اللهِ فانّی اَنا رسولُ اللهِ اِلی النّاسِ کافّةً لِاُنذِرَ مَن کانَ حیًّا وّ یَحِقَّ القولُ علی الکافرین۔ اَسلِم تَسلَم فاِن اَبَیتَ فاِنّما عَلیکَ اِثمُ المجوسِ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے نام، سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کا رسول ہے، میں تمہیں اللہ کی دعوت پہنچاتا ہوں۔ اس لئے کہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو زندہ ہو اسے ڈرا دوں، اور کافروں پر خدا کی بات سچی ہو جائے۔ تم اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے، پھر اگر تم نے اس سے انکار کیا تو تم پر تمام مجوسیوں کا گناہ ہوگا۔

محمد رسول اللہ
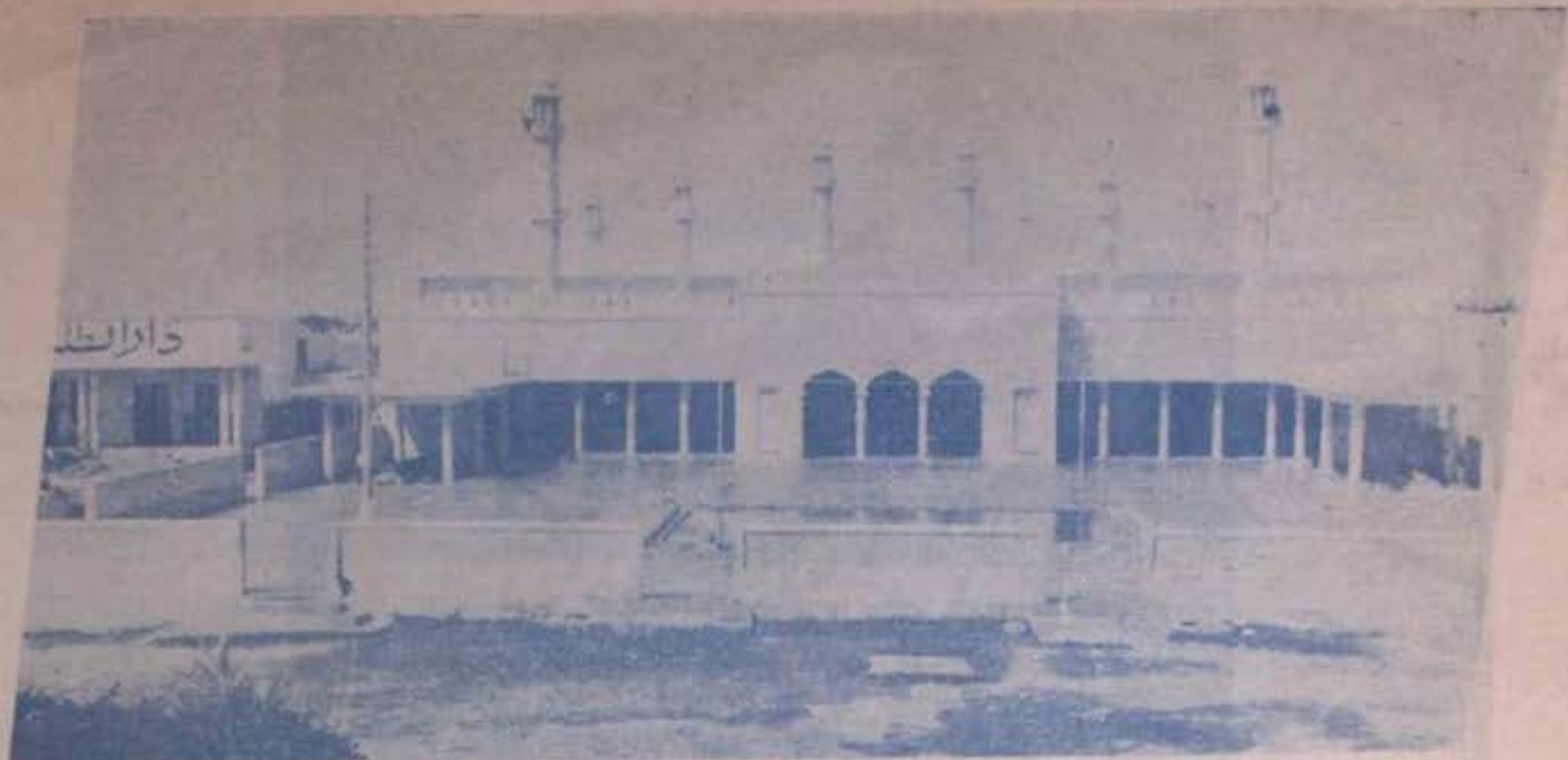
دار العلوم کراچی کی شاندار جامع مسجد

دار التصنیف ، البلاغ اور دفتر انتظامیہ

(۱۱) لاتنذر من کان حیا ویحق

(۱۲) القول علی الکافرین

(۱۳) اسلم تسلم فان ابیتہ

(۱۴) نما علیک اثم المجو

(۱۵) س

اللہ
رسول
محمد

میری کتاب "سیاسی زندگی" میں دیکھا گیا ہوگا سطر ۲ - ۳ کی عبارت پرانے ماخذوں میں سے بعض میں محمد رسول اللہ ہے تو بعض میں محمد رسول اللہ النبی الامی - یہاں محمد عبد اللہ ورسولہ ملتا ہے۔

سطر ۸ میں یہاں صرف ادعوک ہے۔ ماخذوں میں وادعوک روی ہے۔

سطر ۱۳ میں یہاں صرف اسلم ہے، تاریخوں میں واسلم نیز فاسلم کی روایت ہے یہاں ابیتہ پڑھا جاتا ہے، تاریخوں نے عام طور پر ابیت لکھا ہے۔

سطر ۱۳ - ۱۴ میں یہاں فانما علیک اثم المجوس ہے، طبری میں فانما اثم المجوس علیک آیا ہے۔

ان اختلافات میں جو روایت بالمعنی کی وجہ سے ہیں مطلب نہیں بدلتا۔

رسم الخط کے نقطۂ نظر سے یہ عجیب چیز ہے کہ کاتب:

سطر ۳ - ۴ فارس کی جگہ فارسہ لکھتا ہے
۱۰ الناس " الناسہ "
۱۲ الکافرین " الکافرینہ "
۱۴ - ۱۵ المجوس " المجوسہ "
اسی طرح ۱۳ میں فا " فہ "

مزید برآں ۶ تا ۷ نیز ۸ میں وحدہ، عبدہ کی جگہ حدہ عبدہ ہے جو خاص اس کاتب کی خصوصیت ہے کہیں اور اس کا رواج نظر نہیں آتا۔

ایک اور خصوصیت ہے کہ درمیانی ھ کو ہ لکھا جاتا ہے
مثلاً سطر ۳ - ۴ میں الھدی کی جگہ الہدی
۶ " شھد " شہد ہے۔

لیکن یہ خصوصیت تینوں دوسرے اصل نامہ ہائے نبوی میں بھی ہے مثلاً

مکتوب مقوقس میں سطر ۳ میں الھدی کی جگہ الہدی
" ۱۱ اشھدوا " اشہدوا
مکتوب المنذر " ۳ اشھد " اشہد
" ۴ امورھم۔لھم " امورہم۔لہم
" ۸ اھل " اہل
" ۹ منھم۔مھما " منہم۔مہما
مکتوب نجاشی میں " ۴ الھدی " الہدی
" ۶ المھیمن " المہیمن
" ۷ اشھد " اشہد
" ۱۷ الھدی " الہدی

اور کہنا پڑتا ہے کہ عہد نبوی کا رسم الخط وہی تھا اگر از کم دربار رسالت کے کاتبوں کے ہاں وہی رواج تھا۔

(بعض تحقیقات میرے بس کی نہیں مثلاً کہتے ہیں "ماتحتِ احمر" (infrared) شعاعوں سے مٹی ہوئی عبارتیں پڑھی جاتی ہیں نیز بعض اور شعاعوں سے قدیم اور جدید سامان میں امتیاز ہو جاتا ہے، یہ کام جھلی کے مالک اور تجربہ کار لوگوں کا ہے۔

جھلی کا پھٹا اور سلا ہوا ہونا بھی قابل ذکر ہے

تاریخوں کا بیان ہم اوپر گذشتہ باب میں دیکھ چکے کہ کسریٰ نے جب خط کا پہلا جملہ سنا کہ رسول اللہؐ کا نام پہلے اور کسریٰ کا بعد میں ہے تو اسے اپنی ہتک سمجھ کر خط کو پھاڑ دیا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی درباری نے اسی کو اٹھالیا اور محفوظ رکھا (ممکن ہے خود ایلچی نے ایسا کیا ہو)

بہر حال بہ حیثیت مجموعی قرائن اس خط کے اصلی ہونے کی تائید میں ہیں۔

آخر میں یہ کہتا چلوں کہ ہنری فرعون عیسائی ہیں لیکن غیر متعصب انھوں نے اپنے گھر کو ایک عجیب خانہ بنا دیا ہے جس میں تقریباً ساری کی ساری چیزیں اسلامی ہیں، صرف ایک جگہ صلیب وغیرہ کچھ عیسائی آثار قدیمہ ہیں اور مجھ سے کہنے لگے "میں نے یہ چیزیں یہاں بے جوڑ ہونے کے باوجود عمداً اس لئے لگائی ہیں کہ عیسائی لوگ کہیں یہ الزام نہ لگائیں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔

لبنان و شام میں بہت سے خاندان مخلوط مذہب کے ہیں کچھ "بھائی" مسلمان ہیں تو کچھ عیسائی۔ خاندان فرعون کا بھی یہی حال ہے، ہنری فرعون عیسائی ہیں، لیکن رشاد فرعون جو سعودی عرب میں وزیر تھا مسلمان ہیں اور شامی الاصل ہیں اور بہت دنوں پارس میں سعودی سفیر رہے ہیں۔

(بقیہ مضمون "حدیث جبریل") ——— نہیں کرتے ان کو توفیق و ہدایت ملتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی (محمد-۲) ترجمہ: اور جنھوں نے ہدایت قبول کی ان کو ہدایت میں اور بڑھا دیا۔

دوسری غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگ ان آیتوں سے جن میں یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دیدیتا" یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا ہی نے ان کافروں اور فاسقوں کو زبردستی ہدایت سے محروم کر رکھا ہے۔ مثلاً

مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (انعام-۱۴) وہ نہیں ہیں کہ ایمان لائیں الا یہ کہ خدا چاہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ (نحل-۱) اور اگر وہ خدا چاہتا تو سب کو ہدایت دیدیتا۔

وَلَوْ شَآءَ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی (انعام-۴) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

بعض آدمی ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور ہدایت و گمراہی کے سلسلہ میں انسان کی بے بسی اور مجبوری پر ان آیات سے دلیل لاتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی مرضی اور اختیار سے اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں الا یہ کہ خدا خود زبردستی ان کو مسلمان بنا دے اور چونکہ انسان کے اپنے ارادہ اور کوشش کے بغیر کسی کو ہدایت دینا اور مسلمان بنانا خدا تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے اس لئے وہ ان کو زبردستی اسلام پر یا ہدایت پر قائم نہیں کرتا۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

ذیل میں وہ مقالہ پیش خدمت ہے جو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے راولپنڈی کی بین الاقوامی مجلس مذاکرہ منعقدہ فروری ۱۹۶۸ء کے لئے تحریر فرمایا تھا، مولانا موصوف بذات خود تو وہاں علالت کی بنا پر تشریف نہ لے جا سکے۔ لیکن یہ مقالہ بھیجدیا تھا ——— ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

(۱) قال اللہ تعالیٰ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین ہ والف بین قلوبھم ط لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم ط انہ عزیز حکیم۔ یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین ہ یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے رسول اللہ ہی نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت سے اور مؤمنین سے۔ اور ان کے دلوں میں محبت ڈالدی۔ اگر آپ تمام زمین کی دولت خرچ کر دیتے تب بھی ان میں الفت نہ پیدا کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالدی بیشک وہ بڑا غالب اور حکیم ہے۔ اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور یہ مؤمنین جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہو۔

(۲) وقال تعالیٰ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم وآخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم۔ وما تنفقوا من شیٔ فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون۔

(ترجمہ) ایک جگہ ارشاد ہے۔ ان کافروں کے مقابلہ

کے لئے سامان تیار رکھو جتنا بھی تم سے ہوسکے قوت
حاصل کرو اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کا دشمن
اور تمہارا دشمن مرعوب ہوجائے اور ان کے سوا دوسرے
اور بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ انھیں جانتا ہے
اور جو کچھ اللہ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) خرچ کروگے
تم کو پورا دیدیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

( ) وقال تعالیٰ ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ و
المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین
یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا
واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک
نصیرا ۰

(ترجمہ) نیز فرماتے ہیں کہ تم کو کیا ہوا کہ اللہ کے
راستہ میں جہاد نہیں کرتے اور ان کمزور مردوں،
عورتوں، بچوں کے لئے بھی نہیں لڑتے جو ان ظالموں
کے ظلم سے گھبرا کر دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں
اس بستی سے نکالدے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں
اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ہمارا دوست
اور مددگار بھیجدیجئے۔

(۴) ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم
برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذناھم
بما کانوا یکسبون ۰

نیز ارشاد ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ
اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھولدیتے
مگر انھوں نے (اپنے قول یا عمل سے) ہم کو جھٹلایا تو ان کے
اعمال کے سبب ان کو پکڑ لیا۔

(۵) وقال تعالیٰ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب
لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا فاذا جاء
وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی بأس شدید
فجاسوا خلال الدیار وکان وعدا مفعولا ۰

(ترجمہ) ایک جگہ ارشاد ہے اور ہم نے بنی اسرائیل سے فیصلہ
کن بات کہدی تھی کہ تم زمین میں دوبار فساد کروگے
اور بہت زیادہ تکبر کروگے جب پہلا وقت آیا
تو ہمنے تمہارے مقابلہ کے لئے اپنے بڑے بہادر
بندوں کو کھڑا کردیا تو وہ ہمارے گھروں میں
گھس پڑے انھوں نے تم کو نکال باہر کیا۔ اور
ہمارا قول پورا ہو کر رہا۔

(۶) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد سئل
عن الساعۃ اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال
کیف اضاعتھا یارسول اللہ قال اذا وسد الامر
الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ رواہ البخاری

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
جب امانت ضائع کردی جائے قیامت کا انتظار
کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کیوں کر ضائع کی جائے گی؟
فرمایا جب حکومت وغیرہ کا کام نااہلوں کے سپرد
کردیا جائے تو امانت ضائع ہوگی اس وقت کا
انتظار کرو۔

(۷) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن
سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا
جحر ضب لدخلتموھا رواہ البخاری۔

(ترجمہ) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی
اپنے سے پہلے لوگوں کے راستہ پر چلوگے ہاتھ در ہاتھ
بالشت در بالشت یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل
میں گھسیں گے تم بھی اس میں گھسوگے۔

(۸) وقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیت شحا مطاعا
وھوی متبعا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی رای
برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع عنک امر العوام

(ترجمہ) نیز آپ کا ارشاد ہے جب تم دیکھو کہ حرص کی
اطاعت کی جارہی ہے، خواہش نفس کی پیروی کی

جارہی ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جاتی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو (دوسروں کی رائے سے) اچھا سمجھتا ہے (اس لئے مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتا) تو اپنی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو۔

(۹) وقال صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر۔

(ترجمہ) نیز حضور کا ارشاد ہے کہ دنیا مومن کا جیلخانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(۱۰) کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔

(ترجمہ) نیز آپ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی (پردیس میں) رہتا ہے یا مسافر (راستہ میں رہتا ہے)

اب ان آیات و احادیث کے معانی و مطالب پر غور کیجئے تو مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب خود بخود واضح ہو جائیں گے

(۱) پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا پہلا سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ تھی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے فرمادیا ہے ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ ط وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۰

اگر اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہو تو کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ کرنا چاہئے اس کے سوا کسی کی مدد پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کیونکر ہمارے ساتھ ہو گی اس کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اللہ کے دین کا بول بالا کرنا چاہو) تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جما دے گا (ثبات قدمی عطا کرے گا) ایک آیت میں اللہ کے دین کی مدد کا طریقہ بھی بتلادیا ہے

وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدد کرنے پر قادر ہے جن کی شان یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار بخشیں (حکومت و سلطنت عطا کریں) تو وہ نماز کو قائم کریں (جو عبادات بدنیہ میں سے بڑی عبادت ہے) اور زکوٰۃ دیں (جو طاعات مالیہ میں سے سب بڑھ کر ہے) اور نیک کاموں کا امر کریں اور ہر برائی سے لوگوں کو روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین اور تم ہی سب پر غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔ اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ قول کے ساتھ عمل بھی ہو جو اوپر بتلادیا گیا کہ عبادات بدنیہ اور عبادات مالیہ کی پابندی کی جائے۔ نیکی کو پھیلایا جائے بدی کو مٹایا جائے۔ غرض پہلے مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہی اسی لئے تھی کہ وہ سچے مؤمن تھے۔ ان میں الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد بھی پورا تھا، اس کو بھی غلبہ و اقتدار میں پورا دخل ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع مت کرو کہ اس سے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی (یعنی دشمن پر رعب نہ رہے گا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب دشمن کو ہمارے باہمی نزاع و اختلاف کا پتہ چل جاتا ہے اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں) اور صبر و استقامت سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے غلبہ کے لئے اللہ کی مدد اور مؤمنین کی جمعیت کافی ہے، غیر مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اے

بنی اسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے ۔ کیونکہ جہاد کو بھی مسلمانوں کے غلبہ اور عروج میں بڑا دخل ہے ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں جو پہلا خطبہ دیا تھا اس میں یہ بھی بتلایا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے ۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا چاہئے ۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انھوں نے صدیوں سے جہاد کو چھوڑ دیا عیش پرستی میں پڑ گئے یا آپس میں مسلمان مسلمان سے لڑتا ہے ،

کفار سے جہاد کا مقصود اسلام اور حکومت اسلام کی حفاظت ہے ، تلوار کے زور سے اسلام کی اشاعت مطلوب نہیں ۔ کیونکہ تلوار کے زور سے جو لوگ اسلام لائیں گے وہ منافق ہوں گے اور قرآن میں منافقوں کو سب کافروں سے بدتر کہا گیا ہے ۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ۔ پھر مسلمان منافقوں کی بھرتی کے طلبگار کیسے ہو سکتے ہیں ۔ ؟

(۲) ان آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جس قدر ہو سکے قوت بہم پہنچاؤ ، اور گھوڑے بھی باندھو ۔ حدیث میں قوت کی تفسیر میں تیر اندازی کو بیان کیا گیا ہے ، اس وقت یہی بڑی قوت تھی ، آجکل اس کی جگہ بندوق ، رائفل ، توپ ، مشین گن ، میزائل وغیرہ ہیں ۔ گھوڑوں کی ضرورت جنگ میں اب بھی کسی وقت ہوتی ہے مگر زیادہ ٹرٹینک ، بکتر بند گاڑیاں کام میں آتی ہیں ۔ ان سب کا تیار کرنا اور اپنے یہاں ان کا ذخیرہ رکھنا ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے ۔ افسوس ہے کہ اسلحہ سازی کے فن میں سلاطین اسلام اس وقت بہت پیچھے ہیں ۔ ہمارے اسلاف ایسے نہ تھے وہ اس زمانہ کے اسلحہ خود تیار کرتے تھے اور اس کے لئے کارخانے قائم کرتے تھے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت معاویہ رضہ نے خلافت عثمانی میں پانچسو بحری جہازوں کا بیڑا تیار کیا تھا ۔ جس نے ہرقل کا بحری بیڑہ بری طرح پامال کر ڈالا تھا ۔ اور اس کے لئے وہ کفار کے دست نگر نہ تھے بلکہ خود مسلمان کاریگروں سے یہ بیڑا تیار کرایا تھا ۔ بندوق سب سے پہلے بابر بادشاہ کے ہاتھ میں دیکھی گئی ، اس سے پہلے کسی نے بندوق استعمال نہیں کی تھی ۔ افسوس کہ سلاطین اسلام نے اس میں ترقی نہ کی ۔ یورپ نے بہتر سے بہتر بندوق ، رائفل ، مشین گن بنا ڈالی ۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اسلحہ سازی میں کفار سے پیچھے نہ رہے ۔ خود اپنے یہاں ہر قسم کے ہتھیار تیار کریں ، جبھی دشمنان اسلام پر ان کا رعب قائم ہوگا ۔ جبتک دوسروں کے دست نگر رہیں گے ہرگز ان پر رعب قائم نہ ہوگا ۔ اور حکم الٰہی یہ ہے کہ اتنی قوت بہم پہنچائی جائے جس سے دشمن مرعوب ہو جائے

خدا کا شکر ہے کہ سلاطین اسلام کے پاس دولت کی کمی نہیں دو درجن کے اوپر مسلمان سلاطین اب بھی موجود ہیں ۔ اگر یہ سب مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کر دیں جن میں سب کی شرکت ہو تو امید ہے کہ اتنی قوت بہم پہونچ سکتی ہے جس سے دشمن پر رعب قائم ہو جائے ۔ وہ تو سلاطین اسلام کے اتحاد ہی سے خائف ہیں اگر یہ سب مل کر مشترک کارخانے قائم کر لیں تو بہت زیادہ مرعوب ہو جائیں گے ۔

(۳) ان آیتوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جس جگہ مسلمان کفار کے ظلم کا شکار ہوں وہاں ظالم حکومت سے جہاد کرنا اور مسلمانوں کو ان کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے ، جبتک مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کار فرما تھا کسی جگہ بھی مسلمانوں پر کسی حکومت کو ظلم کرنے کی مجال نہ تھی ۔ کفار جانتے تھے کہ حکومت اسلام فوراً جہاد کا اعلان کر کے ہم پر حملہ کر دے گی ۔ مگر اب یہ حال ہے جا بجا غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے ان کو عزت وامن امان کے ساتھ زندہ رہنا دشوار ہے ، مگر سلاطین اسلام زبانی یا کاغذی احتجاج کے سوا کچھ نہیں کرتے ، اگر سب مسلمان سلاطین متحد ہو کر ان کو الٹی میٹم دیدیں کہ مسلمانوں پر ظلم سے باز آؤ ورنہ ہم سب جہاد کے لئے میدان میں آ جائیں گے ۔ تو پھر کسی کافر حکومت کو مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی جرأت نہ ہو ۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تھا تو حکومت ایران اور ترکی نے پاکستان کی امداد کا اعلان کر دیا اس سے پاکستانی فوج کے حوصلے بڑھ گئے ۔ اور ہندو فوج ایسی مرعوب ہوئی کہ میدان

چھوٹ جانے لگی، ضرورت ہے کہ اس جذبۂ جہاد سے ہر جگہ کام لیا جائے تو انشاء اللہ مسلمان ہر جگہ غالب اور معزز ہوں گے۔

(۴) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اور تقویٰ سے صرف آخرت ہی نہیں بنتی بلکہ دنیا بھی سنورتی ہے اس کی وجہ سے زمین کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آجکل ہماری حکومتیں اضافۂ آبادی سے خائف ہو کر برتھ کنٹرول اور ضبط تولید کی تدبیریں سوچتی ہیں مگر ایمان و تقویٰ سے زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے نہیں کھولتیں۔ ضرورت ہے کہ زرعی پیداوار میں ترقی کے ساتھ ساتھ ایمان و تقویٰ میں بھی ترقی کریں۔ تو ضبط تولید کی نوبت ہی نہ آوے۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ ضبط تولید کی تدابیر سے زنا کی کثرت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے پہلے ہر کنواری اور بیوہ کو زناکاری سے حمل ٹھہر جانے اور دنیا کی نظروں میں ذلیل ہونے کا خوف تھا اب ضبط تولید کے اسباب سے کام لے کر یہ خوف جاتا رہا۔ اور زنا کی کثرت ہو گئی جس کی وجہ سے نئی نئی بیماریاں اور بلائیں نازل ہونے لگیں۔ ؎

ابر ناید از پئے منع زکات
وز زنا افتد وبا اندر جہات

(۵) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ کسی وقت اہل ایمان ظلم و فساد پر کمربستہ ہو جائیں تو اللہ تعالےٰ کفار کو ان پر مسلط کر دے گا۔ بنی اسرائیل اہل ایمان تھے مگر جب انھوں نے سلطنت حکومت کے نشہ میں ظلم و فساد پر کمر باندھ لی تو خدا نے کافروں و بخت نصر جیسے مشرکوں کو ان پر مسلط کر دیا جنھوں نے شام سے بنی اسرائیل کو نکال باہر کیا۔ اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس کی بے حرمتی کی۔ پس مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ظلم و فساد کے باوجود بھی وہ سب پر غالب ہی رہیں گے۔ خدا ظالم کو ضرور پکڑتا ہے۔ اور مسلمان ظلم پر کمربستہ ہوں تو کافروں کے ہاتھ سے ان کو ذلیل کراتا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ناحق کسی کو قتل کر دے تو بھنگیوں کے ہاتھوں اسے سولی یا پھانسی دی جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے عروج اور ترقی کا سبب امانت کا حق ادا کرنا تھا جب سے اس میں کمی آگئی اسی وقت سے زوال شروع ہو گیا۔ امانت کے ضائع ہونے کی صورت بھی آپ نے بتلا دی کہ نااہلوں کے سپرد کام کیا جائے سب سے بڑا کام حکومت اور سلطنت ہے جب سے اس کو وراثت میں تبدیل کر دیا گیا ایک ہی خاندان میں منحصر کر دیا گیا کہ باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہو خواہ لائق ہو یا نہ ہو اسی وقت سے زوال شروع ہو گیا، باپ کے بعد بیٹے کو بوجہ لیاقت اور صلاحیت کے اہل الرائے بادشاہ بنالیں تو اس کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی بنا پر خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس وقت وہ سب سے افضل تھے، اس کو میراث بنالینا کہ باپ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو خواہ کیسا ہی ہو امانت کو ضائع کرتا ہے۔

اسی طرح جو طریقہ آجکل رائج ہے کہ اس عہدہ کے لئے چند آدمی اپنا نام پیش کرتے ہیں پھر ان میں الکشن ہوتا ہے ہر امیدوار اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرتا پھرتا ہے۔ یہ بھی اسلام میں پسندیدہ طریقہ نہیں۔ حدیث صحیح میں طلب امارت سے منع کیا گیا ہے اور طالب امارت کو امارت دینے کی بھی ممانعت ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں میں جو سب سے بڑے اور معتمد علیہ شمار ہوتے ہیں ان کو اہل حل و عقد بنا دیا جائے اس مجلس میں سرداران قبائل بھی ہوں علماء و صلحاء بھی ہوں وہ اپنی صوابدید سے جس کو قابل اور لائق سمجھیں اس عہدہ کے لئے نامزد کریں۔ کسی کو خود درخواست کرنے اور اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرنے کی ضرورت نہ ہو کہ اس صورت میں حکومت کا خرچ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور ووٹ حاصل کرنے میں بعض دفعہ دباؤ اور طمع سے بھی کام لیا جاتا ہے اور نا قابل پاس ہو جاتا ہے اسی طرح ہر محکمہ کا سربراہ قابل اور لائق آدمی کو بنایا جائے صرف ڈگری یافتہ ہونے کو نہ دیکھا جائے کہ بعض دفعہ کودن بھی ڈگری پا لیتا ہے، ہر کام کے لئے جس قابلیت کی ضرورت ہے اہل حل و عقد اس کو خود جانتے ہیں اس کے ساتھ اس وصف کو بھی دیکھنا ضروری ہے جس پر اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ جس کا ترجمہ در مطلب شروع میں بیان ہو چکا۔

(۷) اس حدیث میں مسلمانوں کے زوال کا سبب بتلایا گیا ہے کہ جب حرص کی اطاعت کی جائے خواہش نفس کی پیروی کی جائے دنیا کو دین پر مقدم کیا جائے۔ ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھے، مشورہ کرنا چھوڑ دیں تو اس وقت عوام کی اصلاح دشوار ہو جائے گی، ہر ایک کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر مسلمان ترقی اور عروج کے طلبگار رہیں تو ان کو ان اسباب زوال سے بچنا چاہیئے۔ جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کو لازم ہے کہ حرص و طمع کی اطاعت نہ کریں، خواہش نفس کی پیروی چھوڑ دیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کریں۔ اور اپنی رائے کو دوسروں کی رائے سے اچھا نہ سمجھیں کہ یہ تکبر ہے اور متکبروں میں اتحاد و اتفاق نہیں ہو سکتا، تواضع اختیار کریں۔ اور ہر مہتم بالشان کام میں مشورہ کو ضروری سمجھیں، اس سے ہر کام کے سب پہلو سامنے آجائیں گے۔ مشورہ کے بعد جو کچھ کیا جائے گا اس میں خیر و برکت ہو گی۔ اور قوم میں اتفاق و اتحاد بھی باقی رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ تالیف قلوب کیلئے آپ کو بھی مشورہ کا حکم دیا گیا۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ اعظم کی خلافت اسی لئے کامیاب تھی کہ وہ مشورہ بہت کرتے تھے۔

اس حدیث سے مسلمانوں کے زوال کا سبب معلوم ہوا کہ یہ دوسری قوموں کی پیروی کرنے لگیں گے۔ مذہب میں بھی تمدن میں بھی ثقافت میں بھی سیاست میں بھی صورت و شکل میں بھی اسی سے ان کا زوال شروع ہو جائے گا۔ قوم مسلم کو دنیا کی امامت سونپی گئی تھی، جب امام امامت کو چھوڑ کر مقتدی بن جائے تو زوال یقینی ہے۔ اول خلافت عباسیہ میں ایرانی تمدن نے جگہ لی عربی تمدن ختم ہو گیا پھر رفتہ رفتہ تمام بلاد الاسلام میں دوسری قوموں کا تمدن گھر کرنے لگا۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ سیاسیات میں بھی دوسری قوموں کا اتباع کیا جا رہا ہے، وہی الکشن کی لعنت جو یورپ میں ہے مسلمانوں میں آگئی۔ اسلام نے کہا تھا الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں کے نگراں ہیں مسلمان بھی یورپ کی دیکھا دیکھی عورتوں کو مردوں کے مساوی بنا رہے ہیں، ان کو بھی الکشن لڑنے کا اور انتخابات میں رائے دینے کا حق دیا جا رہا ہے وزارت تک میں ان کو لیا جا رہا ہے، مرد کو دوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بی بی سے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے، بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو وارث بنایا جا رہا ہے، تعلیم مخلوط کو رواج دیا جا رہا ہے، کہ لڑکے لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکے فیل اور لڑکیاں پاس ہو رہی ہیں۔ پردہ اٹھایا جا رہا ہے بے پردگی کو رواج دیا جا رہا ہے۔ سینما کی گرم بازاری ہے جس میں مردوں سے زیادہ عورتیں حصہ لے رہی ہیں۔ اسکولوں میں لڑکے لڑکیوں کو رقص و سرود کی تعلیم دی جا رہی ہے، علوم اسلامیہ کی تعلیم اسکول کالجوں میں برائے نام ہے، علوم عصریہ ہی کی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے۔ طلبہ میں دین سے اخلاق سے آزادی کی وبا پھیل رہی ہے۔ کوئی کمیونزم کا حامی ہے، کوئی شوشلزم کا کوئی احکام دین میں ترمیم کر رہا ہے اور دعوی یہ ہے کہ ہم کو بھی دین میں فتویٰ دینے کا حق ہے۔ فتویٰ دینا کسی خاص طبقہ کی جاگیر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف انگریزی یا اردو میں قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر یہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے، یا اس کے لئے باقاعدہ تعلیم عربی بھی حاصل کرنا ضروری ہے، اگر آپ ترجمہ سے عالم دین بن سکتے ہیں تو ترجمہ پڑھ کر کسی کو ڈاکٹر بننے، وکیل بیرسٹر بننے۔ انجنیر اور پروفیسر بننے کی بھی اجازت دیدیجئے اور اگر ان علوم کے لئے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا اور امتحان پاس کرنا ضروری ہے تو مفتی دین بننے کے لئے اس کی ضرورت کیوں نہیں؟

یاد رکھئے صرف وسعت مطالعہ اور تراجم پڑھ لینے سے کوئی بھی کسی علم کا عالم نہیں بن سکتا، اکبر حسین جج مرحوم نے صحیح فرمایا ہے ؎

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ابو حیان توحیدی نے کہا ہے۔ ومن طلب العلوم بغیر شیخ یضل عن الصراط المستقیم جو شخص بغیر شیخ (استاد) کے عالم بننا چاہیگا صراط مستقیم سے گمراہ ہو جائیگا۔ یعنی صراط مستقیم کو گم کردے گا۔ بعض لوگوں کو علماء پر اعتراض ہے کہ انھوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے لوگوں کی ہمتیں پست کردی ہیں ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے وہ اجتہاد مطلق ہے جس میں قرآن وحدیث سے استنباط احکام کے اصول بیان کئے جاتے ہیں چونکہ فقہاء اربعہ نے ان اصولوں کو پوری طرح بیان کر دیا ہے کہ اب نہ ان پر اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ اس سے بہتر اصول کوئی بیان کر سکتا ہے اس لئے اب اجتہاد مطلق کی ضرورت نہیں۔

علامہ سیوطی رح کو ایک وقت یہ خیال ہو گیا تھا کہ ان کو اسباب اجتہاد میسر ہو گئے ہیں۔ علماء عصر مجتمع ہو کر ان کو بلایا اور کہا اگر آپ کو درجہ اجتہاد حاصل ہے تو ائمہ اربعہ کے اصول چھوڑ کر اپنے اصول بیان فرمائیں اس پر انھوں نے اعتراف کیا کہ واقعی نہ اصول پر اضافہ ہو سکتا ہے نہ ان سے بہتر اصول کوئی بیان کر سکتا ہے یہ اجتہاد ان ائمہ پر ختم ہو چکا ہے۔

مگر اجتہاد مقید کا دروازہ بند نہیں ہوا کہ ان اصول کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا جواب دیا جائے یہ اجتہاد قیامت کے قریب تک جاری رہیگا۔ اور علماء اصول ائمہ کو سامنے رکھ کر قیامت تک کے حوادث کا جواب دیتے رہیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس طرح ہر شخص تو مجتہد نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے اصول سے پوری واقفیت لازم ہے مگر آج تو علوم قرآن وحدیث واصول فقہ میں کمال کون حاصل کرتا ہے علوم عصریہ ہی میں کمال حاصل کرتے ہیں، دوسری ہی قوموں کے اتباع میں خوش ہیں، کھانے پینے کا طریقہ بھی وہی یورپین طریقہ ہے، میز کرسی پر کھاتے ہیں اور انگریزی طریقہ ہی سے کھاتے ہیں، لباس اور صورت شکل میں بھی ان ہی کا اتباع ہے۔ ہمارے بچپن میں سلاطین یورپ ڈاڑھی رکھتے تھے تو مسلمان بھی رکھتے تھے اب انھوں نے منڈانا شروع کیا تو یہ بھی منڈانے لگے۔ ایک حکومت سعودیہ تو اس بلا سے محفوظ ہے کہ ان کا لباس بھی عربی ہے، چہروں پر ڈاڑھی بھی ہے گو بڑی نہیں۔ جب میں ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے وفد خیر سگالی میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہونچا اور وفد نے سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی تو میرے سوا سب ڈاڑھی کا شیو کئے ہوئے تھے۔ سلطان نے مجھ سے پوچھا (کیونکہ میں ہی عربی میں ان سے گفتگو کر رہا تھا) مالی لا اری فیہم زی الاسلام کیا بات ہے میں آپکے ساتھیوں میں اسلام کی شکل وصورت نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ ابھی تک حکومت انگریز کے ماتحت تھے ابھی آزادی نصیب ہوئی ہے انشاء اللہ بتدریج اسلامی شکل اختیار کریں گے۔

سلطان نے فرمایا ان سے کہدو کہ اس آیت پر عمل کریں الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

مسلمان عام طور سے ڈاڑھی کو اسلامی شعار سمجھتے ہیں سلطان نے بھی اس کو زی الاسلام قرار دیا۔ ڈاڑھی مونڈنے والے بھی نماز کا امام ڈاڑھی منڈے کو نہیں بناتے مسلمانوں کو اپنی ضمیر سے پوچھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی تھی یا نہیں؟ ان کو قرآن وحدیث سے معلوم ہوگا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام ڈاڑھی رکھتے تھے قرآن میں ہے۔ یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی ط اے بھائی (موسیٰ) میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو نہ پکڑو۔ الخ حدیث میں ہے لکن ربی امرنی یا عفاء اللحی وقص الشوارب میرے رب نے تو مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے، رہا یہ کہ ڈاڑھی کہاں تک بڑھانی چاہئے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ میں سب سے زیادہ متبع آثار رسول مانے جاتے ہیں بتلا دیا ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا ضروری ہے۔

(۹) اس حدیث میں مسلمانوں کے عروج کا راز بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا کو جیل خانہ سمجھتے ہیں جبکہ کافر اس کو جنت سمجھتے ہیں قد میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کی جنت پر اسی وقت

غالب ہو سکتے ہیں جب خود دنیا کو جنت نہ بنائیں۔ اگر یہ بھی
دنیا کو جنت بنائیں اور اس سے دل لگالیں تو جنت کافر پر غالب
نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تمہاری جنت نہیں ہے کافر کی جنت ہے
حضرات صحابہ اور تابعین کے عروج کا راز یہی تھا کہ وہ دنیا کو جنت
نہیں سمجھتے تھے جیل خانہ سمجھتے تھے اور شہادت کے طالب تھے۔
مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے قتل کئے جانے کے بعد طلیحہ بن خویلد
اسدی نے دعوئ نبوت کیا تو صحابہ نے اس کو بھی نہ بخشا اور اس کے
قتل کے لئے فوج بھیجدی گئی طلیحہ بن خویلد کی فوج چالیس ہزار سے
اوپر تھی اور صحابہ کی فوج پانچ ہزار سے کچھ زیادہ تھی مقابلہ ہوا تو
طلیحہ کو شکست ہوئی اور میدان سے بھاگ گیا، طلیحہ نے اپنے وزیر
سے پوچھا کہ مسلمانوں کی فوج تعداد میں ہم سے بہت کم تھی پھر کیا
وجہ ہے کہ ہماری فوج کو شکست ہوگئی وزیر نے کہا مسلمان تو یہ کہتے
ہیں کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے مگر اتنی بات تو میں نے بھی دیکھی
ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں بچ جاؤں۔ میرے
پاس والے مارے جائیں اور مسلمانوں کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ
میں پہلے شہید ہو جاؤں۔ دوسرے میرے بعد ہوں تو جو قوم موت
سے بےخوف ہو کر شہادت کی طالب ہو اس کا مقابلہ کون کر سکتا
ہے۔ بعد میں طلیحہ نے دعوئے نبوت سے توبہ کی اور سچا مسلمان
ہوگیا، فتوحات شام و عراق میں بڑے کارنامے انجام دیئے
جو قوم دنیا کو جیل خانہ سمجھے گی وہ دنیا کو دین پر مقدم نہ کرے گی
احکام الٰہی کی پوری پیروی کرے گی اور ہر وقت جہاد کے لئے
تیار اور شہادت کی طلب گار رہے گی۔ پھر اس کا مقابلہ کون
کر سکتا ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں بھی مسلمانوں کے عروج کا طریقہ
بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پردیسی پردیس
میں رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ پردیس سے دل کون لگاتا ہے
انسان پردیس میں رہ کر اپنے اصلی وطن کے لئے دولت جمع کرتا
ہے، اسی طرح مسلمان دنیا میں رہ کر جنت کے لئے سامان
جمع کرتا ہے کہ وہی اس کا وطن اصلی ہے اور بعضے خاص لوگ
تو دنیا میں ایسے رہتے ہیں جیسے مسافر راستہ میں کسی جگہ پڑاؤ
کرتا ہے ظاہر ہے کہ پڑاؤ سے دل کون لگاتا ہے، اس میں
تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا اور بقدر ضرورت آرام کا سامان
کرتا ہے، جب مسلمان دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے جنت کو وطن اصلی
جانتے تھے تو ان کے اعمال اخلاق معاشرت اور معاملات
سب شریعت کے موافق ہوتے تھے تاکہ وطن اصلی میں اعمال
صالحہ کا ذخیرہ پہنچائیں دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے
موت سے گھبراتے نہیں تھے بلکہ اس کے مشتاق رہتے تھے کہ
وہی پردیس سے اصلی وطن پہونچنے کا وقت ہے۔ اب مضمون
تو ختم ہو گیا ہے تتمہ کے طور پر چند واقعات بیان کرنا چاہتا
ہوں۔

(۱) ہرمزان فارس کا بڑا بہادر نواب تھا
اس نے مسلمانوں سے جنگ کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوا
پھر صلح کر کے رہا ہو گیا، شرائط صلح کی خلاف ورزی کر کے
پھر مقابلہ پر آیا اور گرفتار کر کے مدینہ بھیجدیا گیا حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

ہرمزان! تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سلطنت
کو کیسا پارہ پارہ کیا اور تم کیسے ذلیل ہوئے؟

ہرمزان نے کہا مجھے جواب دینے کی اجازت ہے؟

فرمایا ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

ہرمزان نے کہا یا عمر اذا کنا نحن وانتم غلبناکم
واذا کان اللہ معکم فاللہ لا یغالب۔ اے عمر جب تک
ہمارا تمہارا مقابلہ تھا ہم ہی تم پر غالب تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ
آپ کے ساتھ ہو گئے تو اللہ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ مسلمانوں
کے احوال و افعال سے کفار بھی یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ اللہ کی
غیبی امداد ان کے ساتھ ہے۔

(۲) جب مسلمانوں نے مدائن کسریٰ فتح کر لیا تو یزدگرد
شاہ فارس ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا جہاں جاتا بھاگی ہوئی
فوج اس کے پاس جمع ہو جاتی اور وہ پھر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا
بلخ پہونچکر اس نے خاقان چین کو خط لکھا کہ بادشاہ بادشاہ کی

کی امداد کیا کرتے ہیں، اس وقت آپ میری مدد کیجئے، عربوں نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے شکست دیدی ہے اور میرے اور میرے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ خط پڑھ کر خاقان چین نے قاصد سے کہا ہم نے سنا مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی (چالیس ہزار سے زائد نہ تھی) اور تمہاری فوج بہت تھی (بعض مواقع پر ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ تھی) تمہارا سامان جنگ بھی ان سے بہتر تھا پھر وہ کیسے غالب ہو گئے؟ قاصد خاموش رہا تو خاقان چین نے کہا اچھا بتلاؤ ان کے اخلاق کیسے ہیں؟ قاصد نے کہا وہ بات کے سچے ہیں اور وعدے کے پکے جس سے جو وعدہ کر لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے، جس علاقہ کو فتح کر لیتے ہیں وہاں کے باشندوں سے عدل و انصاف کرتے اور رعایا کی بہبود و امن و عافیت کا پورا بندوبست کرتے ہیں قانون سب کے لئے برابر ہے، خواہ شریف ہو یا چھوٹی قوم کا ہو ان کے خلیفہ کا بیٹا بھی اگر جرم کرتا ہے تو دوسروں کی طرح اس پر بھی قانون جاری کیا جاتا ہے۔ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے ہیں۔ خاقان نے قاصد کا جواب سن کر شاہ فارس کو خط لکھا کہ بیشک بادشاہ بادشاہ کی مدد کرتے ہیں میں آپ کی مدد کے لئے ایسا لشکر جرار بھیجتا کہ اس کا ایک سرا چین میں اور دوسرا سرا بلخ میں ہوتا ہے مگر تمہارے قاصد کی زبانی مجھے عربوں کا جو کچھ حال معلوم ہوا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ ان سے جنگ کر کے آپ کبھی کامیاب نہ ہوں گے میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے صلح کر لیں (تاریخ طبری)

اب مسلمان خود سوچ لیں کہ ان کی کامیابی اور عروج کے اسباب کیا ہیں، اور انکا چھوڑنا ہی ان کا زوال ہوا۔ اقبال مرحوم نے کہا وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر، تم ہوئے خوار تو بس تارک قرآں ہو کر ضرورت ہے کہ مسلمان سچے مسلمان بن جائیں پھر یہی سب پر غالب ہوں گے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ والسلام

قیاس

امام ابو حنیفہؒ ایک مرتبہ بال بنوا رہے تھے کہ سر میں چار بال سفید نظر پڑے۔ آپ نے حجام سے کہا کہ یہ سفید بال نوچ دو۔

حجام نے کہا۔ "جناب اگر ان کو نوچ دیا جائیگا تو سفید بال اور زیادہ نکلیں گے۔

اچھا جن بالوں کو نوچا جاتا ہے وہ اور نکلتے ہیں؟ امام صاحب رحؒ نے پوچھا

"جی ہاں" حجام نے کہا۔

"اچھا تو سارے سیاہ بال نوچ ڈالو" امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شخصیت ــــ اور ــــ کارنامے

(پروفیسر انوار الحسن انور شیرکوٹی)

حضرت علامہ عثمانی رحؒ نے تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں وہ ہیں تو ناقابل فراموش، لیکن ہم رفتہ رفتہ انھیں فراموش کرتے جا رہے ہیں، اور ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جن کی خواہش یہ ہے کہ تاریخ پاکستان میں ان کاوشوں کا کوئی ذکر نہ آنے پائے، ــــ ہماری درخواست پر پروفیسر انوار الحسن صاحب انور شیرکوٹی نے یہ مضمون البلاغ کے لئے ارسال فرمایا ہے۔ جس میں علامہ عثمانی رحؒ کی زندگی کا ایک مجمل سا خاکہ آپ دیکھ سکیں گے اتفاق سے یہ مضمون صفر کے مہینے میں شائع ہو رہا ہے جو علامہ عثمانی رحؒ کی وفات کا مہینہ ہے ــــ (ادارہ)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کے درخشندہ ستاروں میں وہ آفتاب علم وحکمت اور ماہتاب شریعت وطریقت تھے جن کے کمالات علمیہ کا بڑے بڑے اہل علم و فضل نے بلا اختلاف شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے، وہ نہ صرف ایک بے نظیر مفسر اور بے نظیر محدث اور متکلم وفقیہ تھے بلکہ منطق، فلسفہ، ادب، معانی وبیان فرائض اور دیگر علوم درس نظامیہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔

مولانا نہ صرف علوم شریعت میں مہارت تامہ رکھتے تھے بلکہ سیاسیات میں بھی آپ کی طبیعت بہت رسا تھی۔

تحریک ترک موالات میں اپنے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہکر آپ نے بڑا کام کیا تھا۔ چنانچہ عثمانی مرحوم کا شاندار خطبہ "ترک موالات" باجلاس جمعیۃ العلماء ہند دہلی اس کا شاہد ہے۔

مولانا عثمانی جمعیۃ العلماء دہلی کے سر برآوردہ ممبر تھے۔ لیکن کانگریس کے معاملہ میں ان کی سیاست جمعیۃ العلماء سے مختلف تھی اسی بنا پر آپ جمعیۃ العلماء سے علٰحدہ ہوگئے۔ ۱۳۵۴ھ سے لیکر ۱۳۶۲ھ تک مولانا عثمانی دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے، تعمیر پاکستان کی جدوجہد کی وجہ سے ۱۳۶۳ھ میں آپ صدارت سے علٰحدہ ہوگئے۔

تعمیر پاکستان ــــ ۱۹۴۵ء میں آپ کا پیغام کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ میں پڑھا گیا جس میں مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شرعی حیثیت اور سیاسی نقطۂ نظر سے شمولیت کا مشورہ دیا گیا تھا۔

یہ مانا کہ مسلم لیگ کی تنظیم میں قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے نئی روح پھونکی لیکن مسلمانوں کی جماعت جو ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی منتظر رہتی ہو اور جب کے ذریعہ مسلمانوں کی روح تشنہ ہوتی؛

محض کانگریس اور لیگ کی کشمکش میں مبتلا تھی، علامہ عثمانی نے
مسلسل چار سال کے غور و فکر کے بعد مسلم لیگ میں شمولیت کی اور
مسلمانان ہند کی رہبری کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ جمعیۃ العلماء اسلام
کلکتہ کے اجلاس میں آپ کے پہلے ہی پیغام نے بجلی کی طرح مسلمانوں
کے دلوں میں مسلم لیگ کی شمولیت کی لہر دوڑا دی۔ وہ مسلمان
جو ابھی تک کشمکش میں تھے ایک صحیح راہ پر لگ گئے۔ جمعیۃ العلماء
ہند دہلی کے مقابلہ میں علامہ عثمانی کی آمد نے بہت بڑا رد عمل
کیا چنانچہ آپ کی اس آواز پر ہندوستان کے بے شمار مسلمان
لیگ میں دھڑا دھڑ شامل ہونا شروع ہو گئے۔

جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور۔

۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء میں صوبہ پنجاب جمعیۃ
العلمائے اسلام کانفرنس لاہور کی علامہ عثمانی نے صدارت کی
یہ اجلاس اپنی نظیر آپ تھا، ہر قسم کے جدید و قدیم خیالات کے
علماء اور سیاست دان اس اجلاس میں موجود تھے، علامہ
عثمانی کے خطبہ صدارت نے مسلم لیگ اور حصول پاکستان کے
حق میں برقی رو دوڑا دی۔ اخبارات نے یہ رائے ظاہر کی کہ پاکستان
کی حقیقت کا صحیح پتہ آج علامہ عثمانی کے خطبہ سے چلا ہے۔ اس خطبہ
نے پنجاب کی سیاست کو مسلم لیگ کے حق میں پلٹ کر رکھ دیا۔

الحاصل علامہ عثمانی کی لیگ میں شرکت نے مسلم لیگ
کو ایک مضبوط فعال جماعت بنا دیا۔ اور شرعی نیز سیاسی حیثیت
سے ان کے قلمی اور لسانی جہاد نے ملک میں ایک زندگی اور
اتحاد کی ایک لہر دوڑا دی۔

تدبر، علم، سیاست، فہم و ذکاوت، صحیح اجتہاد یہ
وہ امور تھے جو علامہ عثمانی کو فطرت نے مقاصد جلیلہ کے لئے
ودیعت کئے تھے، چنانچہ زمانہ کی نبضوں اور شریعت کے تقاضوں
کا صحیح امتزاج مولانا عثمانی کی ذات میں موجود تھا۔ اسی خداداد
لیاقت نے اس جیسی ہستی کی مسلم لیگ میں شمولیت کو رحمت ثابت
کیا اور جو خلا شرعی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ میں
تھا اس کو مولانا عثمانی ہی نے پر کیا، کانگریس کے بڑے بڑے
علماء جن کی ساری زندگی قید و سلاسل میں گزری ان کی تمام قربانیاں
اور سیاست علامہ عثمانی کے دو سالہ تدبر اور قلمی و لسانی جہاد
کے سامنے ماند پڑ گئیں اور وہ منزلیں جو برسوں میں دوسروں
سے طے نہ ہوئیں وہ علامہ عثمانی کی دو سالہ کوششوں سے طے ہو گئیں

اعلان پاکستان اور سرحد ریفرنڈم

پاکستان کے منصۂ شہود پر آنے کا اعلان ۳ رجون کو
ہو گیا مگر صوبہ سرحد میں جہاں کانگریس کی وزارت تھی وہاں سے
پاکستان میں شمولیت کے خلاف پٹھانستان کا نعرہ بلند ہوا۔
یہ نہایت خطرناک چال تھی، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ صوبہ سرحد کے
پاکستان میں شامل ہونے یا نہ ہونے پر استصواب کیا جائے
اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر صوبہ سرحد کے عوام پاکستان کے
خلاف پٹھانستان کی تائید میں ووٹ دیتے تو پاکستان کی
پھر کوئی حقیقت ہی نہ رہتی۔ پھر پاکستان کا ایک اہم مرکز جو
درۂ خیبر سے وابستہ ہے اور جو سیاسی اور ملکی حیثیت سے فوجی
علاقہ ہے۔ پاکستان سے کٹ کر موت کا سامان بن جاتا اس اہم
اور نازک بلکہ زندگی و موت کے مسئلہ کو سلجھانے کے لئے علامہ عثمانی
نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ پشاور، بنوں، کوہاٹ، مردان،
ڈیرہ اسمٰعیل خاں، صوات اور آزاد قبائل کے طوفانی دورے
کئے جس کا اثر یہ ہوا کہ علامہ عثمانی کی دھواں دھار حقیقت سے
لبریز تقریروں نے مسلمانان صوبہ سرحد کی کایا پلٹ دی۔
ریفرنڈم کا موقع آیا تو وہ کانگریس مایوس کھڑی دیکھ رہی تھی
جس کی وزارت کا آہنی پنجہ صوبہ سرحد میں گڑا ہوا تھا تا آنکہ کانگریس
الٹے پاؤں بھاگی اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو گیا۔
علامہ عثمانی کا یہ کارنامہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے
لکھے جانے کے قابل ہے۔

مسئلہ کشمیر اور علامہ عثمانی

پاکستان بن گیا اور اس کو اب ہندو مسلم سیاسی کشمکش سے
فرصت ملی تو کشمیر کا فتنہ ایک اور رنگ میں بروئے کار آیا
ہندوستان نے اپنی دسیسہ کاری سے ریاست کو اپنے ساتھ ملا لیا

علامہ عثمانی کا دل تڑپ اٹھا۔ انھوں نے مسلسل اعلانات
کئے جن میں کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ملانے اور مسلمانان کشمیر
کو آزاد کرانے کے لئے، مسلمانان پاکستان کو بالخصوص اور تمام
دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم بیدار کیا گیا، اس سلسلہ میں آپ نے
آزاد کشمیر کا دورہ کرنے کا بھی عزم کیا تھا۔

جہاد کشمیر کو بعض اہل علم نے غیر شرعی ثابت کرنا چاہا
مگر شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے کشمیر کی جنگ آزادی کو
جہاد ثابت کیا اور فرمایا کہ یہ جنگ شرعی حیثیت سے جہاد ہے
بعض ہستیاں جن کے قلم سے دانستہ یا نادانستہ اجتہادی
رائے میں لغزش ہوئی علامہ عثمانی نے ملک میں اس فضا کو
درست کیا تا آنکہ تحریک کشمیر کے خلاف قلمی کوششیں ناکام
رہیں بلکہ آپ نے تمام ممالک اسلامیہ کو اپنے فتوی سے آگاہ
کیا اور اس فیصلہ کے لئے علامہ عثمانی نے اپنا ایک نمائندہ ممالک
اسلامیہ کو بھیجا جنھوں نے متفقہ جہاد کشمیر میں مولانا عثمانی کے
فتوی کی تائید کی۔ غرض یہ کشمکش بھی علامہ عثمانی کی بروقت
مخلصانہ کوششوں سے اسلامی احکام کے ماتحت ختم ہوگئی۔

اسلامی دستور اور علامہ عثمانی

لیکن ایک اہم ملکی خدمت ابھی شیخ الاسلام کے ذمہ
باقی تھی جو اس تمام ملکی آزادی کی بقا اور اسلامی ملک کی روح
وجان تھی اور جس کے لئے قدرت نے پاکستان کی تخلیق کی
تھی وہ تھا "پاکستان میں اسلامی قانون" کے نفاذ کا معاملہ۔

علامہ عثمانی نے حکومت پاکستان سے اس امر کی
مسلسل جدوجہد کی اور بالآخر اس مرد مومن کے اخلاص نیت
کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت پاکستان نے "قرارداد مقاصد" کے
ذریعہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن اور سنت کے مطابق
مرتب کرنے کا اعلان کردیا۔ اس قرارداد کی تائید میں علامہ
عثمانی کی تقریر جس کو آپ لکھ کرلے گئے تھے، ادبی اور سیاسی و
شرعی حیثیت سے آپ کا شاہکار زندگی ہے اور جب تک
دنیا قائم ہے ان کی یہ خدمت سب سے اعلیٰ خدمت سمجھی جائیگی

تعلیمات اسلامیہ کا بورڈ اور عثمانی

جب قرارداد مقاصد پاس ہوگئی تو مولانا عثمانی نے
مسٹر لیاقت علی مرحوم سے تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ کی تشکیل کے
لئے فرمایا جو قرآن وسنت کی روشنی میں دستور کا جائزہ لے۔
چنانچہ تعلیمات اسلامیہ کا یہ بورڈ بھی معرض وجود میں آگیا جس نے
تشکیل دستور میں نہایت اہم اور مفید خدمات انجام دیں۔

اسلامی بلاک اور علامہ عثمانی

علامہ عثمانی کی زندگی کا مشن پاکستان میں ایک اور اہم
اور مہتم بالشان ہمہ گیر اسلامی طاقت واتحاد کی طرف خاص
توجہ رکھتا تھا۔ آپ کی ہستی پاکستان میں سب سے پہلی وہ
ہستی ہے جس نے اسلامی بلاک کی طرف توجہ کی چنانچہ آپ
اس موتمر اسلامی کے مستقل صدر رہے ہیں۔

شیخ الاسلام نہ صرف پاکستان کی مضبوطی کے خواہشمند
تھے بلکہ وہ تمام دنیائے اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر متحد
کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو "کانھم بنیان مرصوص"
ایک سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بنانا چاہتے تھے۔

اس اتحاد ممالک اسلامیہ کے لئے موتمر کا پہلا اجلاس
فروری ۱۹۴۸ء کو ہوا جس میں اسلامی ممالک کے نمائندے
شریک ہوئے۔ علامہ عثمانی نے عربی میں تقریر فرماتے ہوئے
تین تجویزوں کی طرف توجہ دلائی۔

(۱) اس موتمر نے یہ طے کرلیا ہے کہ سیاسی نظریات میں
ممالک اسلامیہ ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں گے اور کسی ایسے فعل
کا ارتکاب نہ کریں گے جو کسی حکومت اسلامیہ کے حق میں برا ہو گا
بلکہ دینی طریقہ پر اسلامی حکومتیں ایک دوسرے سے تعاون
کریں گی۔

(۲) موتمر اسلامیہ کے ممبر اور اس کے معاون صرف
ان مسائل میں اپنی کوششوں کو جاری رکھیں گے جن میں کوئی
اختلاف نہیں ہے۔ اور ان مسائل اور نظریات سے اجتناب
کریں گے جن میں اختلاف ہے۔ تاکہ تشتت اور افتراق پیدا نہ ہو

(بقیہ بر صـ ۴۳)

سخن راست

جناب خواجہ محمد شفیع دہلوی (ادیب الملک)

اسلام نے جو کردار پیدا کئے ان کے نمونہ تمام عالم کے مذاہب میں تلاش کرو گے اور نہیں پاؤ گے۔ نیز جس تعداد میں ہم نے ارفع ترین کردار پیدا کئے تمام ادیانِ عالم مل کر اپنی تاریخ میں سے اتنے نہیں نکال سکتے۔ اسلام کے گلے کی زینت جو سلکِ مروارید ہے اس کا ہر دانہ درِ شہوار اور گوہر شب چراغ ہے۔ دوستو اپنو کو سمجھو اور اپنی حقیقت کو پہچانو اغیار کی کوشش ہے کہ تمہاری آنکھوں پر اندھیری ڈال دیں تمہاری نظریں تمہارے اپنوں کی جانب سے پھیر دیں تاکہ تم اپنے مقام سے لابلد رہ جاؤ۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو گرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

اہل دین ایک عرصہ کرگسوں کے منحوس پروں تلے رہے۔ ان حالات نے ان شاہین بچوں کو شاید یہ فراموش کرنے کی جانب مائل کر دیا کہ وہ جرہ و شہباز ہیں اور انہی کی نسل سے ہماری کوشش صرف اتنی ہے کہ حتی الوسع اپنوں کو اسلام اور ان کی ذات سے آشنا کر دیں جو تاریک پردے دشمنوں نے ان کی آنکھوں پر ڈالے ہیں ان کو چاک کر دیں۔ اللہ مجھ نااہل کی اس میں مدد فرمائے۔ السعی منی والا تمام من اللہ

حضور جہانگیر نوعمر ہیں۔ فنون سپہ گری کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تلوریہ جنیو اور دو نیم کے ہاتھ دکھا رہے ہیں تیر انداز بال باندھے نشانہ اڑا رہے ہیں۔ نیزہ باز پتال میں سے گوئے سبقت اڑا کر لے جا رہے ہیں۔ ادہم و اشہب ہنہنا رہے ہیں، فیلان مست کوہ ہائے گراں کی مانند ٹکرا رہے ہیں، اکبر اپنے جیداروں اور جاں نثاروں کو بہ نظر استحسان دیکھ رہا ہے کہ ایک پیل گراں پیکر مقابل کی ٹکر سے چکرا کر تیورا کر اندھا دھند بھاگا جیسے لاحول سے شیطان۔ بپھر کر لپا ہو رُخ جگر گوشۂ اکبر شہزادۂ سلیم کی جانب تھا، زمین تھرا رہی تھی، رعایا کانپ رہی تھی، جاں نثاروں کے سانس اوپر کے اوپر نیچے کے نیچے، اکبر پریشان نظروں سے دیکھ رہا تھا، سلیم ایک نازک لچکدار نیزہ کی صورت اپنی جگہ ڈٹا ہوا کھڑا تھا —— اقبال کا جلال اس کو کہتے ہیں مست ہاتھی جو آندھی اور بگولے کی طرح چڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس پا بر جا نوعمر تیمور زادہ سے چند گز فاصلہ تک تو آیا اور پھر رخ بدل کر چلا گیا —— دنیا چشم و چراغ سلطنت کی جانب دوڑ پڑی۔ سب سے آگے اکبر تھا۔ بیٹے کو سینہ سے لگا لیا اور کہا جانِ پدر تم اپنی جگہ سے ہٹ کیوں نہ گئے۔ جواب ملا میں ہٹنے کے لئے نہیں پیدا ہوا ہوں۔

یہ تھا ہمارا کردار جس کے زور پر ہم نے ملک گیری بھی کی

اور ملک داری بھی، ہم جرأت کے پیکر تھے اور شجاعت کے مجسمہ سروری و سرداری ہمارے خمیر میں تھی حکومت ہمارے ضمیر میں ـــــــ عزیزانِ من ہم حاکم تھے تاجر نہ تھے۔ ہم حملہ آور کی حیثیت سے تیغ بدست آئے اور شاہانہ جاہ و جلال سے سریر آرا رہے، ہم نے چپہ چپہ بھر زمین لیکر تجارت کی کوٹھیاں نہیں کھولی تھیں اور پھر سیاست کے جال نہیں بچھائے تھے ملک کی جماعتوں اور یہاں کے اہل حکومت کو ایک کو دوسرے سے نہیں لڑایا تھا، ہمارے سامنے جو آیا اسے زیر کیا، پھر سریر آرا ہوئے اور سریر آرا رہے، ہمارے کردار کی بلندی تھی جس نے ہماری حکومت قائم کی اور اسے ایک عرصہ طویل بخشا، ہم نے جلاہوں کی طرح ریشہ دوانیوں کا تار پود نہیں تنا تھا، کارگہ حکومت میں ہمارا ارفع و اعلیٰ کردار کارفرما تھا نہ کہ چالاکی و چالبازی۔ ہم نے جعفر و صادق جیسے تلاش کر کے اپنے ساتھ نہیں بلائے نہ حکیم احسن اللہ خاں اور مرزا الٰہی بخش جیسے گمنتی کے غداروں سے تال میل کیا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز : :

ہم کو اغیار سے کہنا ہے اور ببانگ دہل کہنا ہے کہ

اے دوست میرے عشق کے انجام پہ نہ جا
کچھ دیکھنا ہے مجھ میں تو تیور وفا کے دیکھ

دوسروں نے بھی ملک گیری و ملک داری کی اور ہم نے بھی

ع ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں ! !

اہل انصاف اوراق تاریخ الٹیں اور غور فرمائیں کہ ہم کس شان سے آئے اور کس آن سے رہے ـــــــ جہانتک عروج و زوال کا سوال ہے سو عزیزو یہ دنیا عالم عروج و زوال ہی ہے رہے نام سائیں کا۔ ع

کس کی بنی رہی ہے کس کی بنی رہیگی

ان رومنز کی سلطنت نہ رہی جنھوں نے جولیو سیزرز، مارک انٹنی اور بروٹس جیسے افراد پیدا کئے۔ جن کے پرچم تلے ایک زمانہ تھا جن کا نشان جدھر جاتا فتح و نصرت قدم لیتی۔ وہ رومنز جو موت کو کھیل سمجھتے تھے وہ رومنز جو بڑھاپا آنے سے پہلے موت کو خود دعوت دے دیا کرتے تھے۔ پورا جشن ہوتا۔ دعوت ہوتی احباب بلائے جاتے، میزبان عین عالم کیف و مستی میں فصاد کو ہفت اندام کھولنے کا حکم دیتا۔ ایک جانب عقیق رنگ مے بہ رہی ہوتی دوسری طرف یاقوت رنگ خون۔ پھر کچھ دیر بعد حکم ہوتا کہ خون بند کر دو۔ پانی کی پٹیاں باندھ دی جاتیں۔ یہ مرنے والا جان دینے سے پہلے کچھ دیر اور داد عیش دیتا۔ پھر رگ کھول دی جاتی حتیٰ کہ اس غوغائے رنگ و بو اور جشن مے و مینا میں آخری سانس لیتا اور داعیٔ اجل کو لبیک کہتا ـــــــ دوستو وہ رومنز نہ رہے جن کے بڑے سے بڑے ڈنر کے لئے ایران سے بلبل کی زبانیں جاتیں اور پورا ڈنر صرف انہی کا ہوتا۔ وہ رومنز جو انواع و اقسام کی نعمتیں کھاتے استفراغ کرتے اور پھر کھاتے تھے جن کی میزوں کے نیچے چاندی اور سونے کے طشت لئے غلام پاؤں کی آہٹ کے منتظر رہتے ادھر اشارہ پایا ادھر پیرا اور طشت پیش کیا ـــــــ اس سے ہول میں ایک بدبو پیدا ہو جاتی تو اسے دبانے کے لئے میزوں کے نیچے زعفران کا لیپ کیا جاتا۔

آج رومن قانون ملتا ہے۔ اُن کے بُت موجود ہیں۔ عمارتیں یاد دلاتی ہیں لیکن رومنز کہیں نہیں یہ وہی رومنز تھے جن کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا جن کا ڈنکا بجتا اور طوطی بولتا تھا اس عجوزۂ ہزار داماد نے ان کا سہرا ایسا نوچا کہ نہ سر رہا نہ کلاہ رہا نہ تاج رہا نہ طرہ ـــــــ یہ وہی رومنز جن کے موت جن کی تفریح تھی۔ جانوروں کو جانوروں سے لڑاتے اور لطف لیتے۔ انسانوں کو درندوں کے مقابلہ پر لاتے اور تماشا کرتے۔ خون بہتا ہوا ان کو اچھا لگتا تھا۔ ارینا اکھاڑے میں لا کر کی سفید چھلن بکھیری جاتی جو برف سے زیادہ نرم اور سفید ہو اس کو گلیڈیٹرز کا سرخ خون لالہ فام بناتا ـــــــ بدبو مزاج

نازک پر گراں گذرتی تو عمارت کی دیواروں سے خوشبوؤں کے بھپکے آتے اور فضا کو معطر بنا جاتے ـــــــ ان کو بھی زوال آیا اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ پھر یہ کہنا کہ مسلمان زوال پذیر ہوئے کیا معنی رکھتا ہے۔ آئین حیات اور دستور کائنات یہی ہے۔ اغیار ہمارے بچوں کو مسلمانوں کے زوال کی تصویریں دکھا کر انھیں اسلام سے منحرف کرنا چاہتے ہیں، اسلام کو ہمارے زوال سے کیا واسطہ ہمارے اعمال باعث زوال ہوئے، اسلام نے تو ہم کو بام عروج تک پہنچایا تھا، بادیہ نشینوں کو تاج و تخت کیا نہیں دیا تھا۔

تم سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا
ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا

یہ شعر شاعر نے اپنے محبوب سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔
اب میرے محبوب میرے مطلوب مسلمان ہیں۔ آپ کلمہ گو اور کلمہ کے شریک ہیں۔ میری آرزو ہے کہ آپ سے اسلام کی باتیں کرتے ہوئے آخری سانس لوں۔ جان جان آفریں کو سونپوں اور کہدوں

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ہاں تو جو بات میں باتوں کی فراوانی میں آپ سے عرض کرنی بھول گیا وہ یہ تھی کہ اس وقت ایک بہت بڑی تعداد انگریزی خواندہ خدام اسلام کی ہے۔ یہ سب اللہ کے نیک بندے اپنے اپنے حلقہ میں اپنے اپنے طریقہ سے خدمت دین متین کر رہے ہیں اور ثواب سمیٹ رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ نیکوکار افراد کسی عنوان یکجا ہوں۔ یہ درہائے شہوار بکھرے ہوئے ہیں اگر ان کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو عروس اسلام کے گلے کا حسین ہار بن جائیں گے اور اپنا صحیح مقام پائیں گے۔ اللہ کی فوج کے یہ سپاہی مختلف محاذوں پر یکہ و تنہا لڑ رہے ہیں اور ماشاء اللہ خوب لڑ رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ سب دوش بدوش ہو جائیں پھر جنگ کا نقشہ بنے اور جو جس مقام پر لڑنے کا اہل ہو وہاں نبرد آزما ہو اور جہاں مل کر حملہ کرنے کی ضرورت ہو وہاں مل کر یورش کریں ـــــــ نیز علمائے دین بھی ان کے ساتھ ہوں۔ ان میں کوئی اعلیٰ و ادنیٰ نہ ہو سب اللہ کے سپاہی ہوں اور رسول اکرمؐ کے جاں نثار ـــــــ انگریزی خواندہ خدام اسلام کی کمی بھی پوری کریں اور علما کے دست و بازو انگریزی خواندہ بنیں۔ عزیزان من اس دور میں جب تک انگریزی علوم کے ماہر اور اسلامیات کے عالم مل کر کام نہیں کریں گے کام نہیں بنے گا۔

صورت حال یہ ہے کہ ایک عرصہ سے حالات کے تحت ہمارے اذہان ایک حد تک مغربی سانچہ میں ڈھل رہے ہیں۔ ہم کو اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ بہتر ہے یا بد تر بہر نوع کوائف یہی ہیں۔ ہم کو نہ صرف ان اپنوں پر اسلام کے حقائق واضح کرنے ہیں اور ذہن نشین کرانے ہیں بلکہ اہل مغرب کو بھی محاسن دین متین سے آشنا کرانا ہے۔ اندریں صورت ہم کو وہ زبان وہ انداز بیان اور وہ طرز استدلال کام میں لانا ہوگا جو ان ذہنوں کے لئے قابل قبول بھی ہو اور ان پر اثر انداز بھی۔
مزید برآں کم و بیش گذشتہ تین سو سال میں ایک مادی مغربی معاشرہ نے جنم لیا۔ اور ایک حد تک اس عالم تکوین و ایجاد میں اپنا مقام قائم کیا اس نوزائیدہ سماج میں ایسے پہلو بھی ہیں جو نہ صرف اسلامی معاشرہ اور اسلامی احکام سے مختلف ہیں بلکہ بعض منافی بھی اقوام کی زندگی میں جو نئی چیزیں، نئی رسمیں نئے طور طریقے داخل ہوتے ہیں ان کے حقیقی حسن و قبح فوراً سامنے نہیں آتے، ابتدا میں وہ اچھے ہی معلوم ہوتے ہیں اور اچھے ہی سمجھ کر اپنائے جاتے ہیں مدعا ہمارا یہ ہے کہ مغرب نے جس جدید معاشرہ کو جنم دیا اور پروان چڑھایا اب اس کے اثرات سامنے آرہے ہیں۔ مثلاً شراب کا بغیر روک ٹوک عام استعمال، زن و مرد کا قرب، مذہب سے بے اعتنائی وغیرہ، یہ ہم نے چند سطحی اور سامنے کی مثالیں دی ہیں ـــــــ مغرب کے عقلا ان چیزوں کے پیدا کردہ حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اور پوست کندہ رپورٹس لکھ رہے ہیں مسلسل کمیشنز مقرر ہو رہی ہیں۔ ان سے ہمارے علمائے دین واقف نہیں، نیز ان بزرگوں میں سے کم و کم تر ایسے ہیں جنھوں نے

سلاد احمدی

دارالعلوم دیوبند

اور

اس کے قیام کا پس منظر

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح پیدا ہوچکے تھے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی ہی میں، لیکن ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ عالمگیر کا انتقال ہوگیا، شاہ صاحب کے والد ماجد مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ البتہ عالمگیر کے ہم عہد تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تیاری میں شریک رہے تھے۔

عالمگیر کا دور حکومت ہندوستان میں مسلمانوں کے کمال عروج کا دور تھا، اس عروج کے آثار شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور عروج کا مفصل حال شاہ عبدالرحیم صاحب سے اور دوسرے دیکھنے والوں سے سُنا۔

شاہ ولی اللہ صاحب جس روز شاہ عبدالرحیم صاحب کی مسند ہدایت پر بیٹھے ہیں اسی روز محمد شاہ (رنگیلا) تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، شاہ ولی اللہ صاحب کے عین شباب کے وقت ہندوستان میں مسلمان حکومت کے زوال کی بنیاد پڑی تھی، شاہ ولی اللہ صاحب پہلے شخص تھے جنھوں نے زوال کو محسوس کیا اور اسے روکنے کی سعی فرمائی۔ ایک طرف ایسی کتابیں لکھیں جن کے نام امام غزالیؒ وغیرہ کی تصانیف کے ساتھ لئے جاتے ہیں، نیز قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کردیا تاکہ عربی نہ جاننے والے ترجمے سے قرآن مجید سمجھ سکیں، دوسری طرف اولاد، شاگردوں اور مریدوں کے قلوب میں احساس زوال اور جذبہ جدوجہد بھر دیا، چنانچہ شاہ ولی صاحب کے بعد ان کے فرزند اکبر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے والد ماجد کی تحریک جاری رکھی، قلم اور زبان اور دل و دماغ اس تحریک کے واسطے وقف کردیئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے اور دو بیٹے، مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ بھی بڑے بھائی سے کم نہیں تھے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے قرآن مجید کا اردو میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے بامحاورہ ترجمہ۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے چوتھے بیٹے مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا کوئی نمایاں کارنامہ مجھے معلوم نہیں ہوسکا، مگر ان کی یہی بات کیا تھوڑی ہے کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب (شہید) جیسا بیٹا عنایت کیا تھا۔

بہرحال شاہ ولی اللہ صاحب کے سجادہ نشین شاہ عبدالعزیزؒ صاحب تھے، جو اعلیٰ پائے کے مصنف بھی تھے، بے نظیر مقرر اور واعظ بھی اور خدا رسیدہ صوفی بھی۔ دہلی (محلہ کلاں محل) میں مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا بورڈ آج تک آویزاں ہے اور مہدیوں کا قبرستان تا ایں دم محفوظ ہے، مسجد سمیت، جہاں شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور سارے خاندان کے مزارات ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو باہر سے بلا کر مرہٹوں کا فتنہ دبوایا تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب کو سید احمد صاحب بریلویؒ جیسے فدا کار حضرات مل گئے تھے، شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ہندوستان ہی میں مجاہد جمع کر کے خاصا قرونِ اولیٰ کا سا نقشہ پیش کر دیا، مجاہدوں کا سردار سید احمد صاحب بریلوی کو بنایا گیا اور اپنے بھتیجے مولانا شاہ اسمٰعیل صاحبؒ اور اپنے بھانجے اور داماد مولانا شاہ عبدالحئی صاحبؒ اور تمام کنبے دار اور مرید سید احمد صاحب بریلوی کی ماتحتی میں دیدیئے گئے، بلکہ شاہ اسمٰعیل صاحب اور شاہ عبدالحئی صاحب کو سید احمد صاحب بریلوی کا مرید کرا دیا۔ سید احمد صاحب بریلوی ذی علم تھے مگر شاہ اسمٰعیل صاحب اور شاہ عبدالحئی صاحب کا تبحر علمی ان سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔

سید احمد صاحب بریلوی اول نواب امیر خاں (جنھیں لوگ غلط فہمی سے پنڈارہ کہنے لگے ہیں) کے لشکر میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے تھے، اور سپاہی سے ترقی کرتے کرتے امیر خاں کے مشیر کے درجے تک پہنچے تھے۔ جب امیر خاں نے سید احمد صاحب بریلوی کے مشورے کے خلاف انگریزوں سے صلح کر لی تو سید صاحب مستعفی ہو کر چلے آئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے انھیں اور جملہ مجاہدوں کو جہاد کی مشق سفر حج سے کرائی۔ اُن دنوں سفرِ حج ایسا خطرناک اور مخدوش خیال کیا جا رہا تھا (اور واقعۃً تھا بھی) کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی ترک کر رکھی تھی شاہ عبدالعزیز صاحب نے سوچا کہ ہندوستان کے مسلمان کل کہیں ڈر کر نماز پڑھنی نہ چھوڑ دیں۔ ڈر توڑنا چاہئے۔

سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے بے شمار ساتھی سفر حج میں تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دنیا سے سدھار گئے، اور مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ نے شاہ ولی اللہ صاحب کے مشن کی باگ ڈور سنبھالی۔ سید احمد صاحب بریلوی سکھوں سے جہاد کرنے نکلے ہیں تو جہاد کے اخراجات کا بندوبست شاہ محمد اسحٰق صاحب ہی کیا کرتے تھے۔ جہاد کا مرکز دلی میں تھا، سید احمد صاحب بریلوی اور شاہ اسمٰعیل صاحب نے جام شہادت پیا اور جہاد رُک گیا، تو شاہ محمد اسحٰق صاحب نے مکہ معظمہ جا کر خلافت ترکی سے مدد چاہی، شاہ محمد اسحٰق صاحب کے پیچھے دلی کا مرکز شاہ عبدالغنی صاحب اور شاہ احمد سعید صاحبؒ کے ہاتھ میں رہا، ان دونوں بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا؛ شکست کھا کر یہ دونوں بھی مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔

ہندوستان میں جماجمی ہوئی تو ولی اللّٰہی تحریک کے مہاجر حاجی حرم محترم میں سر جوڑ کر بیٹھے، اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے تجویز پیش کی کہ دلی کے قریب کسی جگہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے کے نمونے کا مدرسہ کھولو اور مجاہد علماء تیار کرو۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب کے مسترشد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے ۱۸۶۶ء میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی، مدرسہ دیوبند مدرسہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا نقشِ ثانی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مشن کی یادگار ہے

اُجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے مے خانے
گزشتہ بادہ فروشوں کی یادگار ہوں میں

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور سر سید احمد خاں صاحب دہلوی ایک استاد، مولوی مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے، اور ہم سبق، دونوں نے مسلمانانِ ہند کو دوبارہ ابھارنے کا بیڑا اٹھایا۔ مولانا قاسم اور سر سید کے طریقِ کار الگ الگ تھے۔ لیکن نیت دونوں کی نیک تھی چنانچہ علیگڈھ کالج نے قوم کو مولانا محمد علی جوہر کی قسم کے سیاسی رہنما دیئے۔ اور مدرسہ دیوبند نے مولانا محمود الحسن (شیخ الہند) کی قسم کے دینی پیشوا۔

انڈین کانگریس کو مکمل آزادی کا تصور مولانا حسرت موہانی نے کرایا تھا، جو علی گڈھ کالج کے گریجویٹ تھے، اور مدرسہ دیوبند کی تو رگ رگ میں حریت بسی ہوئی تھی، ہندوستان سے انگریزوں کو دفع کرنے کی دیوبندی خواہش ہندو کانگریسیوں کی خواہش پر فائق تھی، کیونکہ انگریزوں کا ہندوستان چھوڑنا فقط ہندستان چھوڑنا نہیں تھا تمام اسلامی ملکوں میں جو انگریزوں کے پنجے گڑے ہوئے تھے

ہندوستان چھوڑنے سے وہ پہنچ ڈھیلے پڑنے والے تھے۔

علی گڈھ کالج والوں اور مدرسہ دیوبند والوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ ترکی پر آفت آئی تو اُدھر نواب وقار الملک بہادر نے فیصلہ کرلیا کہ اگر انگریز حکومت نے مسلم یونیورسٹی بنانے کی اجازت نہ دی تو جو روپیہ مسلم یونیورسٹی کے واسطے جمع کیا گیا ہے سارا ترکی روانہ کردوں گا۔ ادھر مولانا محمود الحسن صاحب نے ترکی سے اتنی دلچسپی دکھائی کہ انگریزوں نے انھیں حجاز میں گرفتار کرایا اور وہاں سے مالٹا بھجوایا۔

مولانا محمود الحسن صاحب بھی علی گڈھ کالج والوں اور مدرسہ دیوبند والوں کو قریب لانے کے بے حد متمنی تھے، چنانچہ ایک دفعہ (غالبًا ۱۹۱۰ء میں) انھوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سے (جو اس وقت علی گڑھ کالج کے سکرٹری تھے) طے کیا تھا کہ علی گڈھ کالج کے فارغ التحصیل مدرسہ دیوبند میں پڑھیں اور مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل علی گڈھ کالج میں پڑھیں تو انھیں فلاں فلاں سہولتیں دی جائیں گی۔ افسوس اس سمجھوتے پر زیادہ عرصے عمل نہ ہوسکا۔ خیال بڑا اچھا تھا۔ پڑھنا پڑھنے والوں کے اختیار میں ہوتا ہے، مدرسہ دیوبند اور علی گڈھ کالج اس سمجھوتے پر قطعی عمل کرتے اگر پڑھنے والے پڑھنا چاہتے۔ نوجوانوں کو شاید خبر نہیں ہے کہ مغربی علوم اور اسلامی علوم کا سنگم علامہ اقبال جیسے مسلمان پیدا کرسکتا ہے ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شد

سخنہائے گفتنی

جن حضرات کا چندہ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ کے پرچہ پر ختم ہو رہا تھا ان کو اطلاعی کارڈ بھیج دیئے گئے تھے! مگر ہمیں یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ اکثر حضرات نے اس کا جواب خاموشی سے دیا، ہم اس خاموشی کا مطلب رضامندی سمجھ کر ان کو وی پی بھیج سکتے تھے، مگر محرم کا پرچہ ان کو معمول کے مطابق بھیجا گیا، ہمارا خیال تھا کہ ہمارے کرم فرماؤں کو ہم سے جو علاقہ ہے اس کے پیش نظر وہ ہمیں وی پی تیار کرنے اور روانہ کرنے کے طویل اور صبر آزما مرحلے سے بچائیں گے، اور محرم کا پرچہ معمول کے مطابق وصول فرماکر منی آرڈر کے ذریعہ اپنا چندہ ارسال فرمائیں گے، مگر اس طرف بہت کم حضرات نے توجہ فرمائی۔ اور ہمیں حسرت کے ساتھ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! کہنا پڑا۔

اب صفر کا پرچہ بھی عام ڈاک سے بھیجا جا رہا ہے۔

جن حضرات کا چندہ ذی الحجہ، محرم یا صفر پر ختم ہوگیا ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ اپنا چندہ یا چندہ بھیجنے کی اطلاع ۲۰ صفر ۱۴۰۰ھ تک ہمیں ارسال فرمادیں۔ ورنہ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کا پرچہ ان کی خدمت میں وی پی حاضر ہوگا۔

ہم ان تمام دوستوں کے ممنون ہیں جنھوں نے چندہ ارسال فرمادیا ہے اور ان کے بھی جو کسی مجبوری کے تحت ترکِ تعلق پر مجبور ہوئے! نعمانی

جناب محمد حفیظ اللہ پھلواروی

(چوتھی قسط)

سلطان دارین شہنشاہ کونین سردار عالم رسول اکرم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام پیغمبروں سے افضل ہیں، خود بھی تمام مسلمانوں پر اپنے کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔ کھانے کے وقت آپ معمولی آدمی کی طرح بیٹھا کرتے۔ غریبوں کے ساتھ ہمیشہ مل جل کر تشریف رکھا کرتے مجلسوں میں آپ کے لئے کوئی ممتاز جگہ نہیں ہوتی بلکہ سب لوگوں کے ساتھ اس طرح بیٹھتے کہ باہر سے آنے والوں کو آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی اور دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی کہ حضرتؐ کون ہیں؟ جب لوگ بتلاتے تو گنوار لوگ اکثر نہایت بے ادبی کے ساتھ سوال کرتے اور آپؐ نہایت خندہ پیشانی سے ان لوگوں کو جواب دیتے۔ عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب آپؐ باہر تشریف لیجاتے تو صحابہؓ آگے چلتے اور آپ کے پیچھے رہتے متکبرین کی طرح آپؐ کو آگے چلنا پسند نہ تھا۔

افسوس! آجکل ہمارے پیشواؤں کی زیادہ تر یہ حالت ہے کہ اگر کسی غریب سے سوال کرنے میں الفاظ کا ذرا الٹ پھیر ہوا تو برہم ہو جاتے ہیں۔ اپنی ذات میں دوسرے بندگانِ خدا سے خصوصیت وامتیاز کا قائم رکھنا ان کا خاص شیوہ ہوگیا ہے۔ ملنے جلنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، خلوت وجلوت میں الغرض قدم قدم پر انہیں سب سے زیادہ فکر رہتی ہے تو یہی کہ خدا کے دوسرے بندوں سے خود کو ممتاز ومخصوص رکھیں، مگر سردارِ دو عالم کا یہ حال تھا کہ جنگلوں میں اپنے اصحابؓ کے ساتھ خود لکڑیاں چنتے اور خندقوں میں اپنے مہاجرین اور انصار کے ساتھ پتھریں زمین پر پھاوڑے چلاتے تھے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک مرتبہ کسی سفر میں اصحاب نے کھانا پکانے کے لئے اپنے اپنے ذمہ کام لیا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے آقائے نامدارؐ نے اپنے ذمہ کیا کام لیا تھا؟ لکڑیاں لانے کی خدمت حضورؐ نے خود اپنے ذمہ لی تھی۔

جب مسجد نبوی تیار ہو رہی تھی تو تقریباً تمام مہاجر اور انصار اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے، خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے اینٹ ڈھوتے اور ہر قسم کا کام کرتے تھے۔

ایک جنگ کے لئے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی تو خود سرور کائناتؐ بھی تمام صحابہؓ کے ساتھ کام میں مشغول تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نسبت لفظ "سید" یعنی آقا سننا گوارا نہیں فرماتے۔ ایک بار ایک صحابی نے کہا "اے میرے آقا" آپ نے فرمایا "مجھ کو آقا (سید) نہ کہو آقا تو اللہ ہے۔"

ایک دفعہ ایک بدوی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ رعب سے کانپ رہا تھا۔ آپؐ نے اس کو کانپتے دیکھ کر فرمایا ۔۔۔ "تم مجھ سے ڈرتے ہو! میں اس ماں کا بیٹا ہوں جو قدید کھاتی تھی۔ (قدید سوکھے گوشت کو کہتے ہیں، عرب میں عادت تھی کہ گوشت سکھا کر رکھتے تھے، اور کئی دن تک کھایا کرتے تھے، اور یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو زیادہ مالدار نہ ہوتے تھے گویا آپ اس کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ تم کیوں ڈر رہے ہو میں تو تمہارے جیسا ایک معمولی آدمی ہوں میری ماں گوشت سکھا کر کھایا کرتی تھی جو غربت کی علامت ہے) اللہ اکبر!

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح میری تعظیم کے لئے نہ اٹھو" (ابو داؤد و ابن ماجہ)

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آں حضرت صلعم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند" آپ نے فرمایا "لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گرا نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ" (مسلم بحوالہ سیرۃ النبی)

ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم امرائے قریش سے گفتگو فرما رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن ام کلثومؓ تشریف لے آئے اور کچھ سوال شروع کر دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقتضائے بشریت یہ خیال پیدا ہوا کہ اس وقت جبکہ رؤسائے قریش جمع ہیں یہ کیوں آگئے۔ فوراً جناب الٰہی نے وحی کے ذریعہ عتاب آمیز خطاب کیا۔

اس کے بعد ان کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ ہیں جن کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوا۔

شروع میں اکثر وہ سردار جن کے دماغ میں تکبر بھرا ہوا تھا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو دائرہ اسلام میں شریک ہونے میں کوئی عذر نہیں مگر یہ بات ہرگز ہرگز ہمیں اور ہمارے ہم خیالوں کے دل کو نہیں لگتی کہ غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں۔ تمہاری سوسائٹی میں کم درجہ اور کمینے لوگ بیٹھا کرتے ہیں۔ یہ مشکل ہے کہ ان کے ساتھ ہم لوگ بھی بیٹھا کریں۔ اس پر یہ آیت اتری

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

(اور نہ ہٹاؤ اپنے پاس سے ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں)

عدل و انصاف کا نہایت نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا۔ ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ پر گر گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپؐ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا "مجھ سے انتقام لے لو"۔ اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے معاف کر دیا" (ابو داود بحوالہ سیرۃ النبی)

اسی طرح حضرت اسید بن حضیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ہنس مکھ تھے اپنی چھڑی سے حضرت اسیدؓ کے پیٹ میں ٹھوکا دیا، حضرت اسید نے عرض کیا: "میں اس کا بدلا لینا چاہتا ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہو گئے۔ حضرت اسیدؓ نے کہا کہ "میں ننگے بدن تھا، آپ بھی اپنا کرتا اتار دیں" حضورؐ نے اپنا کرتا اٹھالیا اور فرمایا۔ "لو اپنا بدلہ لے لو" حضرت اسیدؓ لپک کر گئے اور حضورؐ کے جسم مبارک کو چومنے لگے اور کہا کہ ۔۔۔ "میری نیت بدلہ لینے کی نہ تھی، بلکہ میری تمنا تھی کہ جسم اطہر کو چوموں اس لئے میں نے یہ حرکت کی۔"

(باقی آئندہ)

جناب محمد ایوب قادری
ایم ۔ اے

باسمہ تعالےٰ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اخی فی الدین انعم اللہ تعالےٰ علینا و علیکم و علیٰ سائر المسلمین

از لکھنؤ ۔ دار المبلغین

۱۲ ربیع الاول پنجشنبہ ۱۳۶۳ھ

بعد سلام مسنون ! کل صبح آٹھ بجے تار پہنچا ۔ تیسرے دن جواب ملا ، کل کا دن ایسا تھا کہ کوئی اپنے گھر سے باہر نہ نکل سکتا تھا ورنہ یہ خط کل ہی روانہ ہوتا ، تار کا مضمون معلوم کر کے اللہ تعالےٰ کے اس انعام پر کہ حضرت ممدوح کی صحت بہت بہتر ترقی کر رہی ہے دو رکعت نماز شکر ادا کی گئی ۔

والحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات ۔ جوابی تار کے انتظار میں دو دن اور دو شب جیسا تردد رہا کچھ نہیں لکھا جا سکتا ، یہاں کے حالات جو زبانی ہی عرض کئے جا سکتے ہیں ۔ اور لڑکوں کی جلاوطنی وغیرہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو اسی وقت یہ حقیر روانہ ہو جاتا ، عزیزی مولوی محمد مشتاق علی خاں بھی باہر سے آ گئے ، آج وہ روانہ ہو جاتے مگر تار نے مطمئن کر دیا براہ کرم و اخوت روزانہ ایک کارڈ تا حصول صحت کاملہ ارسال فرما دیا کریں اور وہاں کسی کے ٹیلیفون کا نمبر اگر لکھ بھیجیں جس سے حضرت ممدوح کا حال دریافت ہو سکے تو بہت بہتر ہو ۔ یہاں دار المبلغین کا ٹیلیفون نمبر ۲۹۸ ہے

مشتاق علی خاں صاحب دو تین روز کے بعد غالباً جا سکیں گے ان سے یہاں کے حالات مفصل معلوم ہوں گے ، سب سے سلام و دعا کہہ دیجئے ۔ فقط محمد عبدالشکور عفی عنہٗ

عبدالمومن کی علالت کو اللہ تعالیٰ نے فراموش کر دیا تھا اب پھر ان کی طرف توجہ ہوئی ۔ اگر خط سنانے یا سلام پہنچانے میں تکلیف ہو تو ہرگز ضرورت نہیں ورنہ حضرت ممدوح کی خدمت میں صرف سلام عرض کر دیجئے ۔ اور صاحبزادگان گرامی شان کی خدمت میں سلام و دعا ۔

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

اخی فی الدین من اللہ تعالےٰ الینا و الیکم

از لکھنؤ ، دار المبلغین

۹ رشوال جمعہ ۱۳۶۵ھ

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ محبت نامہ پہنچا موجب مسرت ہوا ، سب حالات معلوم ہوئے ، ہم لوگوں کو ۱۴ اکتوبر کو بمبئی بلایا ہے ، لہٰذا انشاء اللہ تعالےٰ ۱۱ اکتوبر کو ایکسپریس سے یہاں سے روانگی ہوگی ، جو ۱۲ اکتوبر کو بھوپال کے اسٹیشن پر غالباً ایک بجے دن کو پہنچتا ہوگا ، اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچا دیا تو انشاء اللہ تعالےٰ دعا سے غفلت نہ ہوگی ۔

اور آپ غائبانہ دعا میں ضرور یاد رکھئے گا، زیادہ کیا عرض کروں۔ فقط والسلام

عبدالشکور عفی عنہٗ

باسمہ تعالےٰ حامداً و مصلیاً و مسلماً

از لکھنؤ دار المبلغین

ماہ صفر ۱۳۷۴ھ

اما بعد۔ برادران دینی کو بعد سلام سنت اسلام معلوم ہو کہ اس حقیر کی واپسی مغربی پاکستان سے رمضان کے کچھ قبل ہوئی۔ واپس آکر نور بصر لخت جگر مولوی حافظ قاری حاجی محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری میں (جو کئی سال پہلے سے غیر محسوس طریقہ پر تھی) شدت پائی۔ یہاں تک کہ اب کی مرتبہ رمضان المبارک میں تراویح بھی نہ پڑھ سکے اور تراویح میں ختم قرآن جو ہر سال متعدد ہو جاتے تھے ایک بھی نہ کر سکے، بالآخر بتاریخ ۹ محرم چہار شنبہ کا دن گذر کر شب کو تقریباً دس بجے بحکم خداوندی اس قیدخانۂ دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہائی پائی

انا للہ وانا الیہ راجعون [۱]

صبح کو بروز عاشورہ یوم الخمیس خاص شہر لکھنؤ میں مدرسہ محمدیہ [۱] کے احاطے کے اندر جہاں بچے دن بھر قرآن پڑھا کرتے ہیں اپنے بھتیجے محمد عبدالہادی [۲] کے قریب دفن ہوئے اور ارحم الراحمین کی رحمت واسعہ کے سپرد کر دیئے گئے۔ جنازے کی نماز بڑی جماعت سے ہوئی جس میں علماء و صلحاء بھی شریک تھے۔ ان اللہ ما اخذ وما اعطیٰ۔

فرزند مرحوم کی عمر بوقت موت تقریباً پینتیس ۳۵ سال تھی سات یتیم بچے ہیں، چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا عبدالمقتدر نام سب نابالغ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو مرحوم کے باقیات صالحات میں کر دے۔ اور ان کو اپنے سوا کسی کا کسی بات میں محتاج نہ رکھے آمین۔ فرزند مرحوم کے چار بھائی۔ اس وقت ہیں تین ان سے بڑے اور ایک چھوٹا۔ ماشاء اللہ سب صاحب اولاد ہیں۔

جعلهم الله من باقيات الصالحات ويرحم الله عبدا قال آمينا۔

فرزند مرحوم نے کتب عربیہ درسیہ کی تعلیم کچھ اس حقیر سے اور کچھ اور اساتذہ سے پائی تجوید کی سند استاد بزرگوار مولانا سید محمد عین القضاۃ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور آفاق مدرسہ فرقانیہ کے استاد قاری عبدالمعبود صاحب سے پھر جب حج کو گئے تو مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے حاصل کی اور تبرکاً علم حدیث میں صحاح ستہ کی سند اوائل سنا کر حضرت مولانا الشیخ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی کی صاحبزادی صاحبہ سے حاصل کی ابتدائی عبارت بعد بسملہ و حمد و صلوٰۃ انشاء اللہ یہ ہے۔

---

[۱] یہ کلمہ ایک آیت قرآنی کا جزء ہے بوقت مصیبت اس کلمے کے پڑھنے والے کو قرآن مجید میں عظیم الشان بشارت دی گئی ہے۔ معنی اس کلمہ کے یہ ہیں "بلاشک ہم سب اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں" اللہ کے لئے ہونے اور اللہ کی طرف لوٹنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں اس آیت میں مراد الٰہی ہیں۔ ایک مطلب یہ کہ ہم اللہ کے مملوک و مخلوق ہیں اور ہم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اس مطلب کے لحاظ سے یہ کلمہ مالک حقیقی کے کسی تصرف پر چون و چرا کرنے سے روکتا ہے اور صبر کی تعلیم دیتا ہے، دوسرا مطلب یہ کہ ہم اللہ کی طاعت و عبادت کے لئے ہیں اور زندگی کے ہر لمحہ میں ہر تکلیف و راحت میں ہر مصیبت و حاجت میں اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں اس کی طرف سے ہماری نظر کبھی نہیں ہٹتی۔ اس مطلب کے لحاظ سے یہ کلمہ رضا بالقضا کی تعلیم دیتا ہے یہ دونوں مطلب متعدد آیات قرآنیہ میں بکمال صراحت و وضاحت مذکور ہیں القرآن یفسر بعضہ بعضاً ۱۲

[۱] اس مبارک نام کے دو مدرسے لکھنؤ میں ہیں۔ فرزند مرحوم جس مدرسہ محمدیہ میں مدفون ہیں وہ محلہ چک منڈی میں ہے جو مولوی گنج اور امین آباد کے درمیان میں ہے۔

[۲] محمد عبدالہادی فرزند دلبند تھا نور چشم مولوی حافظ محمد عبدالرشید کا، صغر سن میں وفات پائی۔ اللهم اجعله لنا اجرا و ذخرا و فرطا و شافعا و مشفعا۔

"اما بعد فقد اجازنی ابی و شیخی شیخ المحدثین الشیخ عبد الغنی بن ابی سعید المجددی"۔

اور آخر کی عبارت یہ ہے۔

و اسانید الشیخ الی مصنفی الصحاح الستۃ مشہودۃ من شاء فلیطالع کتاب الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی المطبوعۃ بمصر۔

فرزند مرحوم کو صغر سن میں حضرت ولی مرشد و سیلتنا الی اللہ حضرت مولانا پیر ابو احمد صاحب بھوپالی مسکناً مجددی نسباً و نسبتاً دامت برکاتہم وعمت وتحت سے بیعت کرنے کا شرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔

فرزند مرحوم نے مدح صحابہ کی تحریک میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بہت کارہائے نمایاں کئے۔ قانون شکنی کر کے جیل بھی گئے۔ آل انڈیا مدح صحابہ مشاعرہ کا سنگ بنیاد بھی انہیں کا رکھا ہوا ہے۔

مرحوم کا وعظ بھی بہت پرجوش اور پر تاثیر ہوتا تھا۔ تعزیتی خطوط میں اکثر لوگوں نے ان کے مواعظ حسنہ کا ذکر کر کے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ اللھم اغفرلہ و تقبل منا و منہ فانک انت العزیز الحکیم وانک انت الرحمن الرحیم۔

فرزند مرحوم کو کئی ماہ پہلے سے اپنی زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی۔ بند بند الفاظ میں اس کا اظہار بھی کئی مرتبہ کیا، مگر ذرا ان کو پریشانی نہ تھی، دنیا سے جانے کا، باپ اور بھائیوں سے چھوٹنے کا، بیوی بچوں سے جدائی کا کچھ غم نہ تھا، بڑی خوشی سے جان، جان آفریں کے حوالے کی۔ کما قال قائل رحمۃ اللہ علیہ۔

فان قال لی مت، مت سمعا وطاعۃ

وقلت لداعی الموت اھلا و مرحبا

فرزند مرحوم کو پیٹ کی بیماری تھی، بیماری کا مرکز جگر تھا اور طحال و مرارہ بھی اس سے متاثر ہو چکا تھا اس بیماری سے مرحوم کی وفات اس حقیر کے لئے بہت صبر آموز رہی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المبطون شہید۔ یعنی پیٹ کی بیماری سے جو شخص مرے وہ شہید ہوتا ہے

بنگر کہ دل ایں یمین پر خون شد

بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد

مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست

با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

اس درمیان میں یہ حقیر بتوفیقہ تعالیٰ حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ میں اکثر مشغول رہا، جس سے بہترین تعزیت اور خوب ترین تسلی حاصل ہوئی۔ بالخصوص دو مکتوب بہت زیادہ باعث سکون ہوئے۔ اول وہ مکتوب جس کا عنوان یہ ہے۔

"بہترین امتعہ ایں نشاۃ حزن و ملال ست اگر حزن و ملال نباشد زندگی طعام بے نمک ست"۔

دوسرا وہ مکتوب جس میں حضرت نے اپنے تین فرزندان گرامی شان اولیاء الرحمن کی وفات بیان فرمائی ہے۔ اور ہر ایک کے مختصر مختصر حالات زیب رقم کر کے لکھا ہے۔

"حمداً للہ سبحانہ کہ پس ماندگان را توفیق صبر عطا فرمودہ و بلیہ را سرداد سبب ایں صحیفہ مطبوعہ"

اول یہ کہ تعزیتی خطوط بہت جمع ہو گئے اور یہ حقیر جو پہلے ہی سے کوتاہ قلمی میں مبتلا تھا۔ ان خطوط کے جواب سے قاصر رہا۔ اکثر خطوط میں تعزیت کے ساتھ ساتھ مرحوم کے کچھ حالات بھی دریافت کئے گئے ہیں، لہذا یہ مطبوعہ خط سب کو بھیج کر جواب سے سبکدوشی حاصل ہو سکے گی۔

دوم یہ کہ یہ مطبوعہ خط انشاء اللہ تعالیٰ فرزند مرحوم کے یتیموں کے لئے ایک مذکرہ ہو گا اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ بالغ ہو کر اس سے عبرت حاصل کریں گے۔

سوم یہ کہ اس حقیر کے ساتھ جن مخلصین کو للّٰہی تعلق ہے ان سے امید ہے کہ اس خط کو پڑھ کر مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کریں گے اور مالی و بدنی عبادت کر کے جس سے جس قدر بآسانی

(بقیہ بر ص ۵۵)

انڈونیشیا کے پروفیسر ابراھیم حسن سے ایک ملاقات

- منگلا بند کا سفر
- کوہ ہمالیہ
- انڈونیشیا کی وزارت دینی
- اسلام میں اجتہاد
- اسلام اور مغربی تہذیب
- تجارتی سود
- اسلامی ثقافت
- مقادیر شرعیہ

جب راولپنڈی کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس ختم ہوگئی تو ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ کی صبح تمام مندوبین کو منگلا بند دکھانے کا پروگرام تھا۔ پھر وہیں سے سب لوگوں کو لاہور جانا تھا اس مقصد کے لئے ایک پکنک بس کا انتظام کیا گیا تھا جو صبح سویرے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔

میں ۹ بجے کے قریب اپنے کمرے سے اتر کر بس میں داخل ہوا تو انڈونیشیا کے مندوب پروفیسر ابراہیم حسن نے مجھے اپنے پاس بُلالیا، یہ انڈونیشیا میں وزارت امور دینی کے محکمہ تعلقات عامہ کے صدر ہیں ایک عرصہ تک سماٹرا کی اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں، اصل میں کانفرنس کے منتظمین کی طرف سے انڈونیشیا کے وزیر امور دینی کو دعوت دی گئی تھی، مگر وہ کسی عذر کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے، اور پروفیسر ابراہیم حسن کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیج دیا تھا۔ کانفرنس کے دوران ان سے بار بار ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں، اور مجھے ان کی متصلب دینی مزاج، سادگی، اور معصومیت نے کافی متاثر کیا تھا ——— میں انہی کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اور تھوڑی دیر میں بس روانہ ہوگئی، وہ مجھ سے پاکستان اور یہاں کے طرز معاشرت کے بارے میں مختلف باتیں پوچھتے رہے، یہاں تک کہ راولپنڈی کی آبادی ختم ہوگئی، اب سڑک کے دونوں طرف نظر افروز مناظر شروع ہو چکے تھے، چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں حد نظر تک سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے، اور دور مشرق کے افق پر ہمالیہ کی سرافراز چوٹیاں نیلی نیلی دھند میں لپٹی ہوئی نظر آرہی تھیں، پروفیسر ابراہیم حسن دیر تک ان مناظر کو دیکھتے رہے، پھر کہنے لگے:

"اس خطے کو انڈونیشیا کے بعض علاقوں سے حیرت انگیز مشابہت ہے۔" پھر انھوں نے ہمالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

"یہ پہاڑ ہمالیہ ہے ؟"

"جی ہاں !" میں نے کہا " ہمالیہ دراصل پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے، اسی لئے اردو کے مشہور شاعر اقبال مرحوم نے اسے کشورِ ہندوستان "کی فصیل کہا ہے"

"کیا ہمالیہ پر اقبال کی کوئی نظم ہے ؟" انھوں نے پوچھا

"جی ہاں !" میں نے کہا۔

" اگر آپ کو اس کے کچھ اشعار یاد ہوں تو مجھے ان کا مفہوم بتلایئے ، مجھے اقبال کا کلام سننے کا شوق ہے " انھوں نے فرمائش کی اس پر میں نے انھیں اقبال کی نظم " ہمالہ" کے کچھ بند سنا کر عربی میں ان کا مفہوم بتایا ، وہ بڑے شوق سے سنتے رہے، یہاں تک کہ جب میں نے انھیں یہ بند سنایا کہ :

اے ہمالہ داستاں اس وقت کی کوئی سُنا
مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

تو وہ اس سے دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

کچھ دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں، پھر میں نے ان سے کہا :

" ابھی ہماری منزل کافی دور ہے، اتنا وقت کسی کام میں کیوں نہ گذارا جائے ؟"

" ہاں ضرور ! مگر سفر کے دوران کیا کام کیا جا سکتا ہے ؟" انھوں نے پوچھا۔

میں نے کہا : " دارالعلوم کراچی کی طرف سے ہم ایک علمی و دینی ماہنامہ البلاغ کے نام سے نکالتے ہیں، میں اس عرصہ میں اس کے لئے آپ سے ایک انٹرویو لے لیتا ہوں، اس طرح باتوں باتوں میں کام بھی ہو جائے گا !"

" یہ بڑی اچھی بات ہے، مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں" انھوں نے کہا۔

اور اس کے بعد میں نے ان سے سوالات شروع کر دیئے سب سے پہلے میں نے پوچھا کہ : " انڈونیشیا میں وزارتِ امور دینیہ کے سپرد کیا کام ہیں ؟"

" ہمارے یہاں وزارتِ امورِ دینی کا دائرہ کار کافی وسیع ہے" انھوں نے کہا " اس کے ذمہ سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دینی اعتقادات کی حفاظت کرے، انڈونیشیا اور اس کے عوام کا فلسفۂ حکومت پانچ چیزوں پر مبنی ہے، جن میں سب سے پہلی چیز توحید خداوندی کا اعتقاد ہے، وزارت امور دین کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس اعتقاد کی حفاظت کرے، چنانچہ یہی وزارت انڈونیشی عوام کی دینی تعلیم کا بندوبست کرتی ہے، ہمارے ملک میں ہر درسگاہ کے اندر دینیات کی تعلیم لازمی ہے، خواہ وہ فنون کی درسگاہ ہو یا سائنس اور تجارت کی، لیکن ہر طالب علم کو دینیات کا بنیادی علم حاصل کرنا پڑتا ہے، پھر جو لوگ " عالم دین " بنکر اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے الگ اسلامی یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں تمام دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

" ایسی اسلامی یونیورسٹیاں ملک بھر میں کتنی ہیں ؟" میں نے پوچھا۔

" دس سے کم نہیں ہیں" انھوں نے کہا : " اور ان کے تحت چالیس سے زیادہ کالج اسلامی تعلیمات ہی کے لئے وقف ہیں اور ان تمام تعلیمات کا انتظام وزارت امورِ دینی کے سپرد ہے پھر تعلیمات کے علاوہ مسلمانوں کی تمام دینی ضروریات بھی یہی وزارت انجام دیتی ہے، چنانچہ اس کے تحت مندرجہ ذیل شعبے اور ہیں ۔

(۱) شرعی عدالتیں جن میں نکاح و طلاق سے متعلق مقدمات کے فیصلے کئے جاتے ہیں ۔

(۲) **مذہبی امور:** جن میں زکوٰۃ، اوقاف اور حج کا انتظام کیا جاتا ہے۔

(۳) **دعوتِ اسلامی:** جس کے تحت تبلیغِ اسلام اور دینی اطلاعات کا خاص نظام قائم کیا گیا ہے۔

"لیکن کیا امورِ دینی کی الگ وزارت قائم کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کو چند خاص شعبوں میں منحصر کر لیا گیا ہے، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں رکھا گیا؟" میں نے پوچھا۔

اصل میں بات یہ ہے" انھوں نے کہا "کہ انڈونیشیا مذہبی حکومت نہیں ہے، نہ آپ اسے اسلامی حکومت کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ مسیحی، وہ ایک قومی حکومت ہے جو توحید خداوندی پر ایمان رکھتی ہے۔ انڈونیشیا کا دستور پاکستان کی طرح اسلامی نہیں ہے لیکن اس نے حصولِ آزادی سے پہلے عام مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اوپر اسلامی شریعت کو نافذ کرے گی یہ معاہدہ دستور کی معنوی روح ہے، اور حکومت اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی، اسی طرح اس نے غیر مسلموں کو بھی مذہبی آزادی دینے کا وعدہ کیا ہے، ان معاہدات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے وزارتِ امورِ دینی قائم کی ہے۔"

اس کے بعد میں نے دوسرا سوال کیا:

"عالمِ اسلام میں مغربی تہذیب کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا ہے، آپ کی نظر میں اس تہذیب کے رد و قبول کے سلسلے میں مسلمانوں کا موقف کیا ہونا چاہئے؟"

اس کے جواب میں انھوں نے کہا: "اس سوال کا جواب رات ہوٹل شہرزاد میں مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے بڑے اچھے طریقے سے دیا ہے، مجھے ان کی رات کی تقریر بہت پسند آئی، انھوں نے بالکل صحیح کہا کہ اسلام اور ترقی تو لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا اگر مغربی تہذیب کی کچھ باتیں ہیں اچھی اور اسلامی اصولوں کے مطابق نظر آتی ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ انھیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اختیار کریں، انھوں نے جن نئے علوم میں ترقی کی ہے، ان میں ہم بھی ترقی کریں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے پیچھے چل پڑیں، اور ان کی ہر غلط یا صحیح بات کو اسلام کے مطابق ثابت کرنا شروع کر دیں۔"

میں سمجھتا ہوں کہ مغرب کی جتنی باتیں فی الواقعہ قابلِ تقلید ہیں وہ سب اسلام ہی سے ماخوذ ہیں، لہٰذا ان پر عمل کرنا درحقیقت اسلام پر عمل کرنا ہے، اس کے برخلاف مغرب کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو ہمیں دور سے خواہ کتنی ہی دلکش نظر آئیں، لیکن درحقیقت وہ ہمارے لئے مہلک ہیں، اور اسلام کو چھوڑ کر انھیں اختیار کرنا ہمارے لئے تباہی کا پیغام ہوگا۔"

وہ یہاں تک کہہ کر رک گئے تو میں نے ایک اور سوال کیا۔

"آجکل عالمِ اسلام میں اجتہاد کی اہمیت پر بہت زور دیا جا رہا ہے آپ کی رائے میں ہمارے لئے اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟"

اس سوال کے جواب میں انھوں نے قدرے توقف کے بعد سوچ سوچ کر بولنا شروع کیا:

"اجتہاد دراصل نام ہے ان کوششوں کا جو نو پیش آمدہ مسائل میں شرعی احکام معلوم کرنے کے لئے صرف کی جائیں، جو شخص یہ خدمت انجام دے اسے مجتہد کہا جاتا ہے، مجتہد کی کئی قسمیں ہیں ایک مجتہد مطلق، یعنی وہ شخص جو قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کے قواعد و اصول بھی خود بناتا ہے، اور ان اصول و قواعد کے ذریعہ جزوی احکام بھی مستنبط کرتا ہے، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کتاب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے نئے اصول بنائے، اور اس معاملہ میں سابقہ مجتہدین سے اختلاف کرے۔"

"مجتہد کی دوسری قسم وہ ہے جسے اصطلاح میں مجتہد منتسب کہا جاتا ہے، یہ مجتہد اصولِ استنباط میں تو کسی مجتہد مطلق کی پیروی کرتا ہے لیکن ان قواعد کی تشریح و تعبیر اور جزئیات پر ان کے اطلاق کے بارے میں اپنی رائے استعمال کرتا ہے اور اس میں اپنے مجتہد مطلق سے اختلاف بھی کر سکتا ہے۔

"مجتہد کی ایک تیسری قسم اور ہے، اور وہ ہے مجتہد فی

الفتویٰ والترجیح، اس قسم کا مجتہد اصولِ استنباط میں بھی کسی مجتہد مطلق کا پابند ہوتا ہے، اور مجتہد مطلق کی بیان کردہ جزئیات میں بھی، لیکن جو نئے مسائل اس کے زمانے میں پیش آتے ہیں اور جن کا واضح حکم قرآن وسنت یا مجتہد مطلق کے کلام میں نہیں ملتا، یہ ان مسائل کا حکم انہی اصولوں کے مطابق مستنبط کرتا ہے جو اس کے مجتہدِ مطلق نے بیان کئے ہیں"

یہاں پہنچکر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکے اور پھر کہنے لگے

"ان تین قسموں کے بارے میں امت کا سوچا سمجھا فیصلہ یہ ہے کہ پہلی قسم یعنی اجتہاد مطلق کی شرائط چونکہ آجکل کسی میں نہیں پائی جاتیں اس لئے اس کا دروازہ بالکل بند ہے، البتہ دوسری قسم (اجتہاد مقید) کا دروازہ مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر کھلا ہوا ہے، یعنی مسلمان اجتماعی طور پر ایک مجتہدِ منتسب جیسا کام کرسکتے ہیں، لیکن انفرادی طور پر اس کا بھی دروازہ بند ہے، اور تنہا ایک آدمی یہ کام نہیں کرسکتا ——

رہی تیسری قسم یعنی اجتہاد فی الفتویٰ، سو اس کا دروازہ انفرادی طور پر بھی کھلا ہوا ہے، اور اجتماعی طور پر بھی، لیکن اس شخص کے لئے جو قرآن وسنت اور اصولِ دین کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو"

"لیکن یہ اجتہاد مطلق اور انفرادی طور پر اجتہاد مقید کا دروازہ کس نے بند کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اجماع نے" انھوں نے برجستہ کہا۔ اور اس کی سند عقل سلیم ہے، تھوڑا سا غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ عہدِ رسالتؐ سے بہت دور ہو جانے کی وجہ سے آج ہمارے پاس وہ وسائل موجود نہیں رہے جن سے نزولِ قرآن کا ماحول ہمارے سامنے ہو، اور قرآن وسنت کا پورا پس منظر ذہن میں رکھ کر ہم استنباط کے اصول وقواعد مقرر کرسکیں، ہمارے اسلاف کو یہ تمام وسائل میسر تھے، اس کے علاوہ اللہ نے انھیں غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز حافظہ اور اعلیٰ درجہ کا ورع وتقویٰ عطا کیا تھا، انھوں نے سیکڑوں سال تک اصولِ استنباط کو چھان بین کرکے مدون کر دیا، اس کے بعد ان اصولوں میں ترمیم وتبدیل کی نہ کوئی گنجائش باقی رہی ہے، نہ اس کے اہل افراد موجود ہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ جہاں تک معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نت نئے احکام معلوم کرنے کا تعلق ہے اس کے لئے اجتماعی طور پر اجتہادِ مقید کا اور انفرادی طور پر اجتہاد فی الفتویٰ کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے، اور اس سے ہر مسئلے کا حل بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے"

ہماری گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ بس دینا پہنچکر منگلا ڈیم روڈ کی طرف مڑ گئی۔ منگلا بند کے آثار شروع ہو چکے تھے اور بس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی گفتگو کا رُخ بھی منگلا بند کی طرف مُڑ رہا تھا، پروفیسر ابراہیم حسن مجھ سے اس بند کی تفصیلات پوچھنے لگے تو میں نے انھیں پاک وہند کے درمیان نہری پانی کے تنازعے اور سندھ طاس معاہدہ کی تفصیلات بتلائیں اور اس بند کی اہمیت سے آگاہ کیا، اتنے میں ٹھیکہ داروں کی کالونی آگئی، وہاں کے ایک کلب میں میرپور کے ڈپٹی کمشنر نے مندوبین کا استقبال کیا، کچھ دیر سستانے اور چائے پینے کے بعد بس منگلا بند کی طرف روانہ ہوگئی، اور چند منٹ کے بعد دریائے جہلم کے اس پار انسانی صنعت کا یہ شاہکار نظر آنے لگا، رفتہ رفتہ بس ٹھیک بند کی دیوار پر پہنچ گئی، اب بائیں طرف حدِ نظر تک پانی سے لبالب بھری ہوئی جھیل تھی جس کے پس منظر میں کشمیر کی برف پوش چوٹیاں چمک رہی تھیں، اور دائیں طرف سیکڑوں فیٹ نیچے جھیل کا پانی سرنگوں میں سے گذرتا ہوا ایک حسین آبشار کی شکل میں گر رہا تھا، بس میں بیٹھے ہوئے تمام مندوبین کے چہرے اس دلآویز منظر کو دیکھ کر خوشی سے کھلے ہوئے تھے اور پاکستان کے اس شاندار کارنامے کو خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے

دو میل لمبی دیوار پر آہستہ آہستہ چلنے کے بعد منگلا قلعہ پر پہنچ گئی، یہ قلعہ ایک ہندو رانی کے نام سے موسوم ہے، اور ۱۹۴۸ء کے جہاد کشمیر میں مجاہدین نے سب سے پہلے اسی کو فتح کیا تھا، اس کے محلِ وقوع کو دیکھ کر بے ساختہ تلک کی

گھرائیوں سے ان جانبازوں کے لئے بہت سی دعائیں نکلیں اور دل ان کی محبت وعقیدت کے جذبات سے معمور ہوگیا۔

یہ مضبوط قلعہ کم وبیش آٹھ سو فیٹ اونچی ایک سنگلاخ پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے، اور اس کے دامن میں دریائے جہلم پورے زور وشور کے ساتھ بہہ رہا ہے جس عزم، حوصلہ، جرأت ایمانی اور شجاعت کیساتھ ان سرفروشوں نے اس قلعے کو فتح کیا ہوگا اس کے تصور نے اقبال کے اس شعر کی تصدیق کردی ے

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا ودریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اس قلعے کے ایک شکستہ برج سے منگلا بند اور اس کی مختلف تعمیرات کا سارا منظر بالکل سامنے آجاتا ہے، اس لئے ایک پاکستانی انجینیر نے یہاں سے بند کی پوری اسکیم اور اس کے متعلق مختلف معلومات سے تمام مندوبین کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد تاشقند کے جناب مفتی ضیاء الدین باباخانوف نے پاکستان کی ظاہری اور باطنی ترقیات کے لئے دعا کرائی ——— اس کے بعد کچھ دیر رستا کر یہ قافلہ میرپور روانہ ہوگیا۔ جس وقت میں نے پروفیسر ابراہیم حسن کو بتایا کہ اب ہم آزاد کشمیر کی زمین پر چل رہے ہیں تو وہ بڑے مسرور ہوئے۔ اور مجھ سے قضیۂ کشمیر کی مختلف تفصیلات پوچھنے لگے، اسی دوران بات ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد تک پہنچ گئی، میں انہیں جہاد کے ولولہ انگیز واقعات سناتا رہا۔ اور ع

لذیذ بود حکایت دراز ترگفتم

یہاں تک کہ میرپور آگیا، آزاد کشمیر کے عوام نے عالم اسلام کے رہنماؤں کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا، سڑک کے دونوں طرف کشمیری مسلمان خوشی سے نعرے لگا رہے تھے، یہاں کے گورنمنٹ کالج میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا، کالج کے پرنسپل نے ایک سپاس نامہ پیش کیا جس میں قضیۂ کشمیر کی مختصر روداد بڑے مؤثر انداز میں بیان کی گئی تھی، سپاسنامہ کے جواب میں ہر ملک کے مندوبین نے بھی کشمیر کے معاملے میں ہر قسم کے تعاون کی پیشکش کی اور آزادی کشمیر کے لئے دعائیں کیں۔

تین بجے کے قریب دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر سے فارغ ہوکر بس پھر روانہ ہوئی تو میں نے پروفیسر ابراہیم حسن سے کہا۔

"آپ کے حصہ کے چند مختصر سوالات ابھی رہ گئے ہیں"۔

"ہاں ہاں ضرور!" انہوں نے کہا۔

میں نے پوچھا: بنکوں میں جس سود کا لین دین ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

کہنے لگے: "سود قرآن کریم کی واضح تصریحات کے مطابق حرام ہے۔ اور اسے کوئی تاویل حلال نہیں کرسکتی، اضطراری حالات ہر جگہ مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں، لیکن حرام کو حرام ہی کہا جائے گا۔ اور اس معاملے میں تجارتی اور غیر تجارتی سود کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی"۔

اس کے بعد میں نے ایک اور سوال پوچھا:

"اسلامی ثقافت کی اصطلاح آجکل کثرت سے استعمال ہورہی ہے، آپ کے نزدیک اس سے کیا مراد ہے"؟

"اسلامی ثقافت کے معنی بالکل واضح ہیں" انہوں نے کہا "قرآن وسنت نے ہمیں جس انداز سے زندگی گذارنے کی تلقین کی ہے، وہ ہماری ثقافت ہے، اس ضمن میں ہمارے تمام اسلامی علوم بھی آجاتے ہیں، اور تفریحات بھی داخل ہوجاتی ہیں، جو قرآن وسنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہیں"۔

"کیا رقص وموسیقی کی بھی اسلامی ثقافت میں کوئی گنجائش ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں!" انہوں نے کہا۔ "اسلامی ثقافت کو ان چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں، قرآن وسنت میں ان کی حرمت کے واضح احکام موجود ہیں، اسلام نے ہماری تفریح کی فطری خواہش پر پابندی نہیں لگائی، لیکن ایسی تفریحات کو وہ ہمارے لئے مہلک قرار دیتا ہے جن سے ہماری جسمانی اور اخلاقی صحت پر کوئی برا اثر پڑے"!

"اسلام نے مختلف اشیاء کی جو مقداریں مقرر کی

ہیں، مثلاً زکوٰۃ کا نصاب، یا رکعات نماز کی تعداد وغیرہ، کیا زمانے کے تغیر سے ان کے بدلنے کی کوئی گنجائش ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یاد رکھئے" انھوں نے کہا "کہ جو چیزیں زمانہ کے تغیر سے اثر پذیر ہوتی ہیں ان کے بارے میں قرآن و سنت نے خود کوئی واضح ہدایات نہیں دیں بلکہ انھیں ہر دور کے مجتہدین کے اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے، اس نے مقادیر وغیرہ کی تعیین انھی چیزوں میں کی ہے جنھیں قیام قیامت تک یکساں رکھنا منظور ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن و سنت میں زکوٰۃ وغیرہ کا جو نصاب مقرر کیا گیا ہے، اس پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، فقہی اصطلاح کے مطابق یہ "تعبدی" حکم ہے جس میں قیاس اور رائے کا کوئی دخل نہیں"۔

وہ یہ کہہ کر رکے تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی بوجھل آنکھیں کچھ دیر کے لئے سکون چاہ رہی ہیں اور اب سوالات کا سلسلہ مزید جاری رکھنا ان پر ظلم ہوگا، اس لئے میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انھیں آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے بھی عذر نہ کیا اور چند لمحوں کے بعد باقاعدہ سو گئے۔

(بقیہ "شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ")

(۳) ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان صرف ایسے جلسوں اور تقریروں میں ہی پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جن کے پس پردہ عمل نہیں ہے، جس نے امت کو بدظن اور مایوس بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور علماء دین سے ان کی عقیدت خراب ہوتی جا رہی ہے اس لئے میں موتمر کے افراد سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اپنے آپ کو عمل کی طرف راغب کریں۔ جس سے لوگ سمجھیں کہ واقعی موتمر کوئی کام کر رہی ہے۔ اور اسلام کی خدمت بجا لا رہی ہے۔

بظاہر یہ تین تجویزیں ہیں۔ لیکن ان سے آپ علامہ عثمانی کی ٹھوس سیاست کا اندازہ لگا سکیں گے اور معلوم کر سکیں گے کہ ان تین تجویزوں کے بعد اور کسی تجویز کی ضرورت نہیں رہتی۔

مسلمانوں کا سیاست میں اتفاق اختلافی امور میں اجتناب، باہمی امور میں تعاون و سوالات اور قول سے نکل کر عمل کی طرف آنا یہ تو وہ تجاویز ہیں جو دنیائے اسلام کے لئے تجدید اخوت، تجدید اتحاد، تجدید ملت کی نئی بہاروں کے دنوں کا سامان فراہم کرتی ہیں۔

شیخ الاسلام چونکہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا کے اداشناس فلسفی تھے اس لئے ان کے دل میں صرف پاکستان ہی کا نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا درد تھا۔ اس حیثیت سے وہ پاکستان میں پہلی واحد ہستی تھی جو تمام ممالک اسلامیہ کی مشترک متاع تھی۔

کاش عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کے احترام میں حکومت کوئی مناسب یادگار قائم کرے۔

(بقیہ مضمون "اسلام میں عورت کے حقوق") ——— یہ ہے کہ اگر واقعی یہ معلوم کرنا ہو کہ اسلام میں عورت کے لئے کیا کیا مراعات ہیں تو اسلامی فقہ کا مطالعہ کیجیے، تاکہ حقیقت حال معلوم ہو سکے۔

اور اگر خواہ مخواہ اسلام پر کیچڑ اچھالنا ہی کسی کا مقصود ہو تو اس کا علاج ہی کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

دو عالم بہ بینم بکامِ محمدؐ

کلیم زیدی ایم۔اے

دلم کیف یابد زِ جامِ محمدؐ
شوم شکّریں لب بنامِ محمدؐ

نخواہم صبا از تو چیزے نخواہم
ولے مژدۂ از پیامِ محمدؐ

شہانِ جہاں اند زیرِ نگینش
چہ داند کسے انصرامِ محمدؐ

توانم بگویم زِ حالِ تباہم
بگیرد بلبم احترامِ محمدؐ

نداند کسے رتبۂ عالیش را
نفہمد کسے احتشامِ محمدؐ

سرِ کس نہ گاہے رسید است آنجا
رسیدہ است جائیکہ گامِ محمدؐ

شہے ہمچو او کس ندیدہ۔ نہ بیند
دو عالم بہ بینم بکامِ محمدؐ

کلیمِ حزیں راندانی؟ چہ پرسی
ہما گفتہ آید غلامِ محمدؐ

شمعِ حرم

جناب عزیز الحق صاحب عزیز کیرانوی

ہزاروں عازمینِ حج جہازوں پر سوار آئے
جہاں اک شمع روشن تھی وہاں پروانہ وار آئے

نہیں کچھ دخل ارادہ کو نہ ہمت کو نہ کوشش کو
کشش تھی ایک مقناطیس کی بے اختیار آئے

گریباں ہے نہ دامن ہے برہنہ سر برہنہ پا
جنونِ عشق کے مارے بھی کیا دیوانہ وار آئے

متاعِ عقل و دانش جمع کی تھی مدتوں میں جو
وہ میقاتِ حرم پر عشق کی بازی میں ہار آئے

دل و جاں کی وہ دولت جو بہت پیاری رہی اب تک
خدا کے گھر میں پھر پھر کر دہیں پر اس کو وار آئے

پیا زمزم کا پانی جو شفا بھی ہے صفا بھی ہے
اسی سے اپنے رخ پر رنگ تقویٰ کو نکھار آئے

جو ڈالی رحمتِ باری نے خاک ان کے گناہوں پر
تو چہروں اور بالوں پر لئے گرد و غبار آئے

غرض جس جس جگہ نقشِ کفِ پائے نبیؐ دیکھا
وہیں آنکھیں بچھا کر بختیار و کامگار آئے

وہ اندازِ جنوں تھے یا کہ آدابِ خردمندی
نہ دیکھے جو خود آنکھوں سے اسے کیا اعتبار آئے

تحیر کا وہ عالم تھا تو خشیت کی یہ حالت ہے
گئے تھے چشمِ حیراں لیکے واپس اشکبار آئے

وہ طوفاں کیف و مستی کا وہ بارش نور و ایقاں کی
خدایا عمر میں میری پھر آئے، بار بار آئے

کوئی کافر نہ مشرک ہے نہ ملحد ہے نہ دہری ہے
یہ وہ گلشن ہے جس میں غیر ممکن ہے کہ خار آئے

عزیزؔ اس بارگاہِ کبریا میں ہے ادب لازم
جو آئے یاں زبان و دل سے اپنے ہوشیار آئے

اے
مائیں
بہنو
بیٹیو

خواتین اسلام سے

آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم
کی باتیں

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

تیرھویں حدیث

وعن زینب امرءة عبد اللہ قالت خطبنا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن فانکن اکثر اھل جھنم یوم القیمة

(رواه الترمذی) مشکوٰة شریف ص۱۷۱)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستورات کو خطاب فرماتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اے عورتو! صدقہ دو اگرچہ اپنے زیور ہی سے ہو کیونکہ قیامت کے روز اکثر اہل دوزخ تم ہی ہوگی (ترمذی شریف)

تشریح: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی خواتین کو بھی اجتماعی خطاب فرماتے تھے، ایک موقعہ پر یہ بات ارشاد فرمائی جو حدیث بالا میں مذکور ہے یعنی عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی صدقہ کا فائدہ بھی بتایا اور وہ یہ کہ صدقہ کو دوزخ سے بچانے میں بڑا دخل ہے، چونکہ عورتوں سے طرح طرح کے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتی ہیں جن کی تفصیلات کچھ گذر چکی ہیں اور کچھ آگے آئیں گی۔ اس لئے دوزخ سے بچنے کی تدبیر بتائی کہ صدقہ دیا کرو اگر فاضل مال نہ ہو تو زیور ہی میں سے دیدو۔

قرآن و حدیث میں لفظ صدقہ فرض زکوٰة کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے اور نفل صدقہ کے لئے بھی بولا گیا ہے اس حدیث سے صدقۂ فرض یعنی زکوٰة اور صدقہ نافلہ یعنی خیر خیرات دونوں مراد ہو سکتے ہیں، گذشتہ چند احادیث میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے اور خیر خیرات کرنے کی فضیلت اور ترغیب ذکر ہوئی ہے اس حدیث کے تحت فرض زکوٰة کی تشریح و تفصیل لکھی جاتی ہے

زکوٰة ہر اس بالغ مرد و عورت، پر فرض ہے جو بقدر نصاب شرعی مال کا مالک ہو خواہ مال اس کے قبضہ میں ہو خواہ بینک میں خواہ نقدی ہو خواہ نوٹ ہو، سونا چاندی ہو جتنے روپے یا مال کے عوض ساڑھے باون تولہ چاندی آسکتی ہو اس کو شرعی نصاب کہتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑے رئیس کبیر اور امیر و دولتمند پر ہی زکوٰة فرض ہے حالانکہ فرضیت زکوٰة کے لئے بہت بڑا مالدار ہونا ضروری نہیں ہے غور کرلو کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کتنے روپے میں آسکتی ہے، اگر تین روپے تولہ بھی ہو تو ایک سو ساڑھے ستاون روپے میں آجائے گی، بہت سی عورتوں کے پاس اتنا مال ہوتا ہے مگر زکوٰة ادا نہیں کرتی ہیں اور عمر بھر گناہ گار رہتی ہیں اور اسی

گناہ میں مبتلا ہوتے ہوئے مر جاتی ہیں۔ اگر نقدی نہ ہو تو زیور تو ہوتا ہی ہے جو میکہ یا سسرال سے ملتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مگر ادا نہیں کی جاتی یہ زیور آخرت میں وبال جان بنے گا تو پچھتاوا ہوگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ،

مسئلہ: اگر کچھ نقدی موجود ہے نہ سامان تجارت ہے نہ چاندی ہے اور صرف سونا ہے تو جبتک ساڑھے سات تولہ سونا نہ ہو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی لیکن کچھ چاندی اور کچھ سونا ہے یا کچھ سونا ہے کچھ نوٹ رکھے ہیں یا کچھ سونا یا چاندی ہے اور کچھ سامان تجارت اور ان صورتوں میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

اس کو خوب سمجھ لو، اس مسئلہ کے رو سے اکثر عورتوں پر زکوٰۃ فرض ہے جن کے پاس تھوڑا بہت زیور ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ اپنی مالیت اور زیور اور دکان کے سامان اور نقد مالیت کا حساب لگائے، یہ جو بہت سی عورتیں سمجھتی ہیں کہ زیور استعمالی چیز ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ چاندی سونے کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سونے چاندی کے برتن ہوں خواہ گوٹے کی شکل میں ہو خواہ زیور کی صورت میں ہو خواہ استعمالی ہو خواہ یوں ہی رکھا ہو۔

مسئلہ بقدر نصاب شرعی مالیت کا مالک ہوتے پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایک سال اس مال پر گذر جائے

مسئلہ: سال کے اندر اگر مال گھٹ جائے اور سال ختم ہونے سے پہلے اتنا مال پھر آجائے کہ اگر اس کو باقی مال میں جوڑ دیں تو بقدر نصاب شرعی کے ہو جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جائے گی اور نئے مال کے آنے سے سال شروع نہ ہوگا بلکہ جب شروع میں مال آیا تھا اسی وقت سے سال کا حساب لگے گا، خلاصہ یہ کہ درمیان سال میں گھٹ جانے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگر سال ختم ہونے سے قبل دوبارہ مال پھر آجائے۔ یہ مسئلے خوب سمجھ لو اور زیادہ تفصیل کے لئے بہشتی زیور تیسرا حصہ دیکھو۔

مسئلہ: جتنی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے اس قدر مال کسی کے پاس ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس بقدر نصاب شرعی کے مال نہ ہو۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں صرف ان کے بیوہ ہونے پر نظر کر کے زکوٰۃ دیدی جاتی ہے حالانکہ ان کے پاس بقدر نصاب خود زیور ہوتا ہے ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

مسئلہ: چاند کے حساب سے مال پر ایک سال گذر جانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے انگریزی سال کا حساب لگانا درست نہیں، انگریزی سال سے ادا کرنے میں ہر سال دس روز کے بعد زکوٰۃ ادا ہوگی اور ۳۶ سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی جو اپنے ذمہ باقی رہے گی۔

مسئلہ: سال گذر جانے پر ڈھائی روپے سیکڑہ یا ۲۵ روپے فی ہزار زکوٰۃ ادا کر دے، یہ چالیسواں حصہ بنتا ہے دیکھو خدائے پاک نے کتنا کم فریضہ رکھا ہے اور وہ بھی تمہارے ہی لئے ہے خدا کے کام تھوڑا ہی آتا ہے وہ تو بے نیاز ہے اسی نے تو سب کو سب کچھ دیا ہے، تم اپنے مال کا ثواب آخرت میں خود پالوگی، اور دنیا میں بھی زکوٰۃ دینے کے سبب مال کی حفاظت رہے گی اور مال میں ترقی ہوگی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ سے مال کبھی کم نہیں ہوتا (ما نقص مال عبد من صدقۃ مشکوٰۃ ص۱۵۴)

بہت سی عورتیں یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ زیور کے علاوہ ہمارے پاس مال کہاں ہے اگر اس میں سے دیں تو سب ختم ہو جائیگا اول تو بات یہ ہے کہ شوہر سے لیکر ادا کر سکتی ہے جب وہ بیجا چو چلوں کے لئے دیتا ہے اور فیشن کے فضول اخراجات اٹھاتا ہے تو تمہارے کہنے سے تم کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کیلئے سال بھر میں ڈھائی روپے سیکڑہ کیوں نہ دے گا۔ اور اگر وہ نہیں دیتا تو زیور بیچو ابھی ابھی حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ سے

مال کم نہیں ہوتا۔ اگر تم زکوٰۃ دوگی تو اللہ تعالےٰ اور زیادہ مال دے گا اور زیور بڑھے گا مگر تم تو اللہ کی طرف بڑھو، فرض کرو زکوٰۃ دیتے دیتے زیور ختم ہو جائے تو کیا حرج ہوا دوزخ کے عذاب سے بچ جانا اور جنت کی نعمتیں مل جانا کیا کم فائدہ ہے؟

اب ایک صحابی عورت کا قصہ سنو۔

چودھویں حدیث

وعن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امرءة اتت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ومعها ابنة لها وفی یدها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال لها اتعطین زکوٰۃ هذا قالت لا قال ایسرك ان یسورك اللہ بهما یوم القیمة سوارین من نار قال فخلعتهما فالقتهما الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وقالت هما للہ ورسوله

(ابوداؤد شریف ص ۲۱۸)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اس کے ساتھ اس کی ایک لڑکی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کیا تم اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالےٰ تم کو آگ کے دو کنگن پہنا دے، یہ سنکر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے) نکالے اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے، اور عرض کیا کہ یہ دونوں اللہ و رسول کے لئے ہیں (میں اپنے پاس نہیں رکھتی آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں خرچ فرمائیں)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی مرد و عورت سب ہی آخرت کے بہت فکرمند تھے اور وہاں کے عذاب سے بہت ڈرتے تھے، دیکھا ایک صحابی عورت نے دوزخ کی بات سنکر دونوں کنگن خیرات کر دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیئے کہ جہاں چاہیں راہ خدا میں خرچ فرمائیں، اگرچہ عذاب سے بچنے کی یہ صورت بھی تھی کہ وہ ابتک کی زکوٰۃ ادا کر دیتیں اور آئندہ کو زکوٰۃ دینے کا اہتمام کرتیں لیکن انھوں نے یہ پسند ہی نہ کیا کہ وہ کنگن پاس رہیں کیونکہ شاید پھر کوتاہی ہو جائے، اس لئے وہ چیز پاس نہ رکھی جس سے احتمال گرفت ہو سکے، سبحان اللہ صحابی مرد و عورت کیسے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

(بقیہ مضمون "سخن راست") اپنی آنکھوں سے مغرب کے موجودہ حالات دیکھے ہیں۔ علاوہ بریں تاریخ مغرب سے بھی علماء کو زیادہ شناسائی نہیں۔ انگریزی خواندہ یہ پہلو فراہم کر سکتے ہیں اور اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ دوسری طرف علوم مغربی کے ماہر علم دین سے کما حقہٗ واقف نہیں۔ بس کچھ کچھ ادھر ہے کچھ کچھ ادھر۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید انداز میں جدید حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلام کے محاسن پیش کئے جائیں حالت یہ ہے کہ علمائے دین کو اب اتنا وقت کہ علوم مغربی کا اکتساب کریں۔ دوسری طرف مغربی علوم کے واقف بھی اب علم دین حاصل نہیں کر سکتے اندریں حالت سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ یہ ہر دو جماعتیں مل کر کام کریں۔

غرض میری صرف اتنی ہے کہ اللہ کی رسی تو دونوں نے تھام رکھی ہے اس کو قریب قریب سے کیوں نہ تھامیں۔
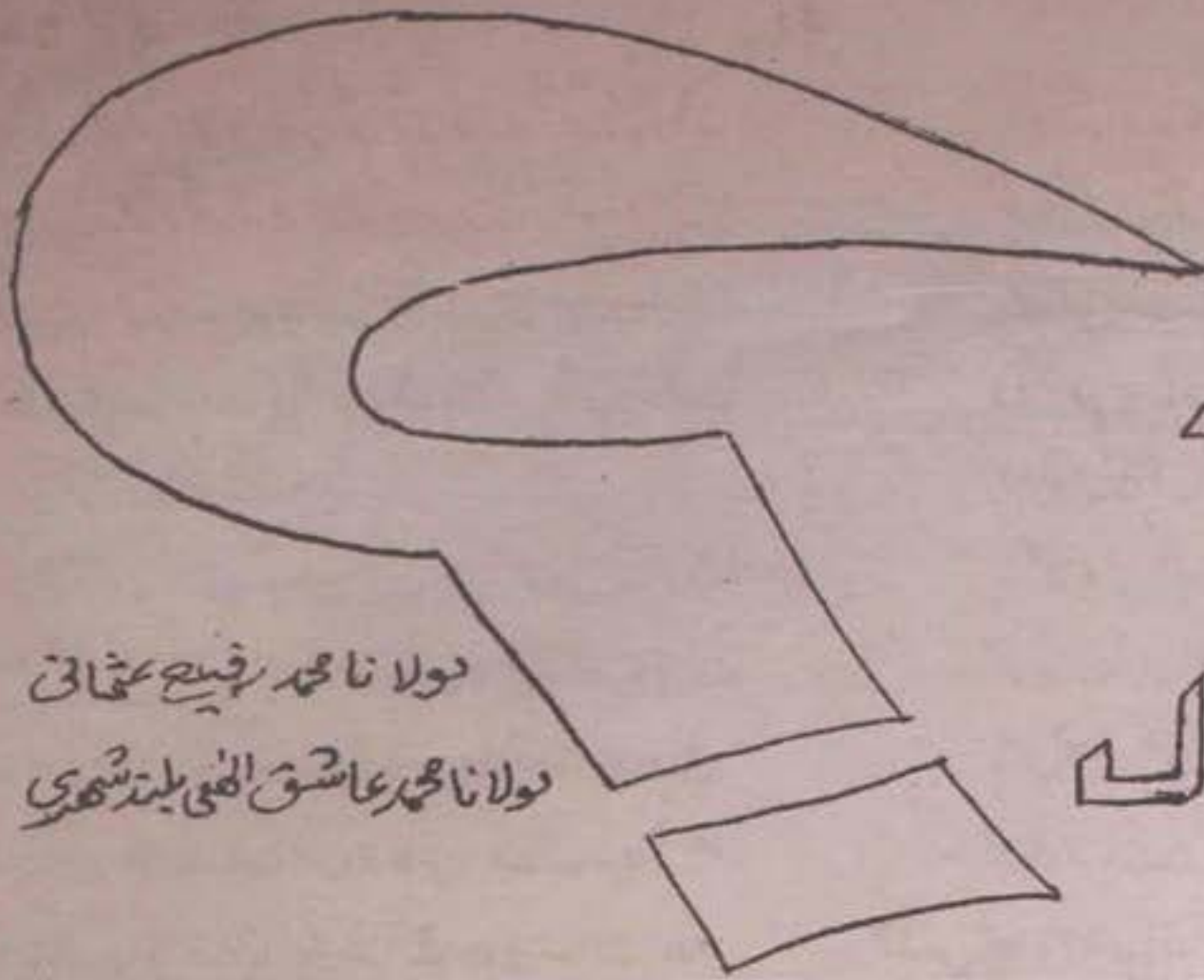
صرف علمی، فقہی، معاشرتی اور ادبی سوالات ارسال کئے جائیں، ایک صاحب ایک مرتبہ میں دو سے زائد سوال ارسال نہ فرمائیں۔ مشہور اور اختلافی مسائل سے پرہیز کیجئے۔ جواب باری باری شائع ہوگا ——— ادارہ

فلمی دھنوں میں نعت

"آجکل بعض عوامی شاعر فلمی دھنوں پر نعت لکھتے ہیں اور ایسے نعت مذہبی اجتماعات میں پورے طور سے فلمی سروں میں ادا کئے جاتے ہیں، ایسے نعت گو شاعر مخرب اخلاق فلمی ریکارڈ سنتے ہوں گے جبھی تو وہ ان سروں پر نعت کہتے ہیں۔ اس سے نعت خوانوں اور ایسے دوسرے شائقین کو مخرب اخلاق فلمی ریکارڈ سننے کا چسکا پڑتا ہے۔ شریعت اس کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے"؟

گلزار احمد کلاچی، ترمن، ضلع ڈیرہ غازی خان

اس کو شومئ قسمت کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے کہ اول تو ہم ہر نیک کام سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہیں اور اگر کبھی اچھا کام کرنے کا جذبہ پیدا بھی ہوتا ہے تو اس میں جبتک کچھ ناجائز اور حرام کی آمیزش نہ کرلیں تسکین نہیں ہوتی۔

سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے بلاشبہ یہ نعت جیسی روح پرور عبادت کو کھیل تماشا بنانا، اور اس کے ساتھ کھلا مذاق ہے علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص پانی کو شراب کے مشابہ بنا کر شراب کی طرح پیے تو یہ اس کیلئے حرام ہے۔

چنانچہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص لہو و طرب کے ساتھ پانی یا کوئی اور حلال مشروب شرابیوں کی ہیئت بنا کر پیے تو یہ صورت حرام ہے، علامہ ابن عابدین نے بھی فقہاء کے اس قول سے اتفاق کیا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (جو شخص کسی قوم یا گروہ کی نقالی کرے وہ انہی میں سے ہے) تو جب ناجائز کام کی نقالی کی اجازت مباح چیزوں میں بھی نہیں تو ایک عبادت کو حرام کے مشابہ بنا کر

پیش کرنا تو ناجائز ہونے کے علاوہ عبادت کے ساتھ کھلا مذاق ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی گستاخ نہایت خوش ذائقہ مٹھائی سڑے ہوئے کیچڑ میں لتھیڑ کر کسی حاکم کو بطور تحفہ پیش کرنے کی جسارت کرے۔

ایسے نعت گو حضرات کو اس فعل قبیح سے مناسب طریقہ سے روکنا چاہئے اور ان کی ہمت افزائی سے پورا اجتناب کرنا چاہئے۔

کند چھری سے ذبح کرنا

ایک شخص نے ایک جانور کو کند چھری سے ذبح کیا، اس کا کفارہ کیا ہے؟

عبدالرشید۔ راجشاہی

اس گناہ کا کفارہ توبہ اور استغفار ہے۔ اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کو برا سمجھے، اس پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم صمیم کرے

ایک وصیت نامہ کی تحقیق

حال میں ایک وصیت نامہ شائع ہوا ہے جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ شیخ احمد خادم روضۂ نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ میری امت کو یہ یہ باتیں پہنچا دو، اس میں بھی ہے کہ جو اس کو شائع کرے گا بہت نفع پائے گا، اور جو اس کو جھوٹا جانے گا اس کا نقصان ہوگا۔

اس وصیت نامہ کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔

"ایک مسلمان"

یہ وصیت نامہ نیا نہیں ہے بلکہ تقریباً سو سال سے شائع ہوتا ہے۔ ۲۵۔ ۳۰ سال قبل بھی علماء وقت سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اس وقت علماء نے تحقیق کی تھی اس سے معلوم ہوا تھا کہ شیخ احمد نامی خادم روضہ مبارکہ کوئی صاحب نہیں ہیں، نہ کبھی کوئی صاحب تھے بلکہ خدمت روضہ اقدس کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا جس حجرہ شریفہ میں قبر اطہر ہے وہاں تک کسی کی بھی رسائی نہیں ہوتی ہے اس کے چاروں طرف تین چار دیواریں محیط ہیں، جیسے جیسے سنت نبویہ سے بعد ہوتا گیا، قبر اطہر حجابات میں محجوب ہوتی چلی گئی اور تکوینی طور پر ایسا ہوتا چلا گیا، اس لئے جاروب کشی اور خدمت کا موقعہ ہی نہیں رہا۔ تفصیل کے لئے فضائل حج مؤلفہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم مظاہر علوم سہارنپور مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ وصیت نامہ خود ساختہ ہے چونکہ اس میں یہ بھی چھپا ہوا ہوتا ہے کہ جو شائع کرے گا اس کو نفع ہوگا اور جو شک کرے گا اس کو نقصان ہوگا اس لئے ناواقف مسلمان شائع کرتے رہتے ہیں۔

۲۵، ۳۰ سال قبل جب علماء نے تحقیق کی تھی تو پتہ چلا تھا کہ وصیت نامہ کے موجد اور فرضی افسانہ گھڑنے والے نصرانی ہیں جس کو ان کی مشنریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے شائع کیا تھا۔

فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصاریٰ کو شائع کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس وصیت نامہ میں دین پر چلنے کیلئے لکھا ہے، مسلمانوں کو دین اسلام پر چلانے کی کوشش کرنے میں ان کو کیا نفع ہے؟ بات یہ ہے کہ جس وقت انگریزوں نے ہندوستان میں قدم جمائے اس وقت طرح طرح سے ایسی تدبیریں کرتے رہے کہ ہندوستان کبھی چھوڑنا نہ پڑے، پہلے تو انھوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی مناظرے کرائے اس مقصد کے لئے باہر سے عیسائی بلائے گئے، جب علماء حق نے مذہب نصرانیت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہوگیا اور دلائل کے سامنے عیسائی پادری شکست کھا گئے تو حکومت نے اور اس کی مشنریوں نے دوسرے راستے اپنے جماؤ کے لئے اختیار کئے، عیسائی پادریوں کو شکست دینے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ

مکہ معظمہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کی کوششیں تاریخ میں زندہ یادگار ہیں، ان حضرات کے بعد مولانا عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی نے اس پر توجہ کی اور مقدمہ تفسیر میں نصرانیت کے خلاف بہت کچھ لکھا اور جگہ جگہ تفسیر میں خوب رد کیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

مناظروں میں شکست کھانے کے بعد یہ کوشش کی کہ عالم ایسے پیدا ہوں جو حکومت کے ترجمان ہوں اور پختہ عالم نہ ہوں اس مقصد کے لئے جگہ جگہ مدارس قائم کئے، کلکتہ، مدراس، پٹنہ وغیرہ میں ایسے مدارس اب تک موجود ہیں، انگریزوں کو چونکہ مسلمانوں ہی سے خطرہ تھا کیونکہ مسلمانوں ہی سے ملک لیا تھا اور مسلمانوں میں جذبۂ جہاد موجود تھا، اس لئے یہ کوشش شروع کی کہ ان کے اندر سے جذبۂ جہاد ختم کیا جائے۔ کلکتہ مدرسہ کے نصاب سے اب تک کتاب الجہاد ہر کتاب سے خارج ہے، دشمنوں نے سوچا کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانا تو مشکل ہے لہذا کم از کم یہی ہو جانا چاہئے کہ جو جماعتیں ہندوستان کو انگریزوں سے واپس لینا چاہتی ہیں ان کی ہمنوائی نہ کریں اور جہاد سے غافل ہو کر نماز روزہ میں لگے رہیں، اس مقصد کے لئے عیسائی مشنریوں نے یہ فرضی وصیت نامہ تیار کر کے شائع کیا، شروع میں جب یہ وصیت نامہ شائع ہوا تھا اس وقت اس میں سنہ مقرر کر کے لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ احمد سے فرمایا ہے کہ فلاں سنہ میں فلاں علامت قیامت ظاہر ہو گی اور فلاں سنہ میں یہ ہو گا اور فلاں سنہ میں سینوں سے قرآن نکل جائیگا پھر جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا اور ان کی خود تراشیدہ تواریخ غلط ہوتی چلی گئیں تو تاریخیں اور مخصوص سنین کے حوالہ جات بدلتے رہے اور اب جو وصیت نامہ شائع ہوتا ہے اس میں یہ باتیں تقریباً بالکل نہیں ہیں اور یہ بات تو سراسر حدیث کے خلاف ہے کہ قرآن سینوں سے اٹھ جائے گا، حدیث شریف میں ہے کہ ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء

(مشکوٰۃ شریف ص۳۳)

یعنی اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اٹھائے گا کہ زندہ انسانوں کے سینوں سے اٹھالے، بلکہ علم اس طرح ختم ہو گا کہ علماء اٹھ جائیں گے اور لوگ آگے ان کا علم بڑھانے والے پیدا نہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وصیت نامہ فرضی ہے، شیخ احمد نامی کوئی صاحب روضۂ اقدس کے خادم نہیں ہے اس میں جو عبادت کی طرف متوجہ ہونے اور آخرت کی فکر میں لگنے کو لکھا ہے یہ اچھی باتیں ہیں اور ضروری ہیں، مگر ان پر عمل پیدا ہونے کے لئے قرآن و حدیث کے خطابات کافی ہیں، فرضی افسانہ کو شائع کرنا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی کی تراشیدہ بات کو منسوب کرنا سخت گناہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری جانب سے کوئی بات جھوٹ کہدے اس کو چاہئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے۔

(مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

(بقیہ مکتوبات مولانا عبدالشکور لکھنوی) ہو سکے۔ حقیر کے والدین کو رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا ایصال ثواب سے محروم نہ رکھیں گے، اور ایصال ثواب کا مسئلہ اور اس کے متعلق ضروری معلومات کے لئے اس حقیر کی کتاب علم الفقہ کی جلد دوم دیکھنا چاہئے یہی تین مقصد اس صحیفہ مطبوعہ کے ہیں۔

کتبہ محمد عبدالشکور کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

تہذیب نو کی آہیں

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ترتیب

جناب محمد معروف

بداعمالیاں امراض خبیثہ کی صورت میں

(ا۔س۔پ۔ا) نیوز ایجنسی کے حوالہ سے مارننگ نیوز (کراچی) ۳ مارچ میں ——— ہمبرگ ۲ مارچ امراض خبیثہ کو گو فن طب نے ۱۰ سال قبل زیر کر لیا، لیکن اب اس کا زور پھر ہر طرف شروع ہو گیا ہے بلکہ اب تو اس نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے، مرد و زن کے درمیان آزادانہ بے محابا اختلاط میں ترقی مانع حمل گولیاں ترقی مرض کے اسباب خاص یہی ہیں۔ اب تخمینہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر سال ۶½ کروڑ سوزاک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور یہ تعداد آتشک والوں سے ۲۰ گنی ہے، پنسلین اب بھی ایک کامیاب علاج ہے۔ لیکن اب اس کی مقدار انجکشنوں میں، اس کے قبل کے مقابلہ میں ۶ گنی ہو گئی ہے اور بعض ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس کی بھی دوگنی ہونا چاہئے۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ادارہ صحت عالمی) نے رپورٹ پیش کی کہ یورپ کے چند حصوں میں سوزاک نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور ۵، ۵ لاکھ مریض ہر سال ہونے لگے ہیں، اب اس ادارہ کے افسروں کا کہنا ہے کہ مرض شہر سے دیہات کی طرف بڑھ رہا ہے، اور ترقی پائے ہوئے اور ترقی پانے والے دونوں ہی قسم کے ملکوں میں بڑھ رہا ہے۔ امراض خبیثہ کی کوئی ۱۲ قسمیں ہوتی ہیں اور ہر قسم مباشرت ناجائز ہی سے پیدا ہوتی ہے، اس کے شکار عوام ہی نہیں خواص بھی ہیں، تاجر، قانون پیشہ بڑے بڑے ایکٹر اور خود ڈاکٹر تک ان میں مبتلا پائے گئے ہیں۔

امراض خبیثہ کی ترقی سب سے زیادہ نوجوانوں میں ہو رہی ہے خصوصاً ۱۵ سے ۱۹ سال کی عمر لڑکیوں میں یہ رجحان اکیلے امریکہ ہی میں نہیں بلکہ کناڈا، مغربی جرمنی، نیدرلینڈز۔ اٹلی اور ناروے۔ سویڈن میں بھی پایا گیا ہے۔

بہت سے ملکوں میں مردانہ بیسوائی (تلذذ بالمثل) ان امراض کے پھیلانے کا خاص سبب بنتی جا رہی ہے۔ مغربی جرمنی کے ماہر فن ڈاکٹر ہرز برگ نے کہا ہے کہ تحقیق سے تو معلوم ہوا کہ آتشک کے مرد مریضوں میں تقریباً ⅔ تو اسی علت (تلذذ بالمثل) میں مبتلا تھے۔

سنئے سوچئے اور پھر ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو جایئے۔ اس سے زیادہ آپ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ تہذیب جدید جس رخ پر، اور جس رفتار سے جا رہی ہے اس کا بدلنا کس کے اختیار میں ہے؟

(صدق جدید لکھنؤ ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء)

نقد و تبصرہ

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمایئے

سنت کا تشریعی مقام

مؤلفہ مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵، ناشر: مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱، کاغذ سفید، کتابت و طباعت متوسط، سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۲۴۰، قیمت چار روپے پچاس پیسے۔

جو لوگ اسلام کو مغربی تہذیب یا کسی اور چلے ہوئے نظام حیات کے مطابق ثابت کرنے اور اس کے نتیجے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو غیروں کا حاشیہ بردار قرار دینے میں مصروف ہیں، ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ "سنت ہے" اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے صرف کتاب ہی نہیں اتاری، بلکہ اس کی تشریح و تعبیر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا، اور آپ نے تشریح کتاب کے اس فریضے کو انجام دیکر اپنی "سنت" کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کی روشنی میں ہم کتاب اللہ کے معانی ٹھیک سمجھ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور کے تجدد پسند حضرات جب کبھی اپنے کسی نظریے کو قرآن کریم سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہمیشہ "سنت" ان کے آڑے آتی ہے، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

اہل تجدد کی طرف سے اس الجھن سے نکلنے کی اب تک کئی کوششیں کی جا چکی ہیں، شروع میں سنت کو حجت ماننے ہی سے انکار کیا گیا۔ پھر یہ کہا گیا کہ "سنت" ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچی لیکن یہ تمام نعرے ایک مختصر عرصے تک شور مچا کر دلائل کے مقابلہ میں خود بخود خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک نئی چال یہ چلی گئی کہ سنت کو حجت تو تسلیم کر لیا گیا لیکن اس کے معنی ایسے بیان کئے گئے کہ حدیث اس میں داخل نہ ہونے پائے، اور ہر زمانے کے مسلمانوں کا "طرز عمل" "آزادر لئے" شخصی اجتہاد" مختصر یہ کہ پورا لبرل طرز فکر "سنت" قرار پا جائے۔

ان حالات میں اس بات کی ضرورت تھی کہ قرآن کریم سے سنت کا جو تشریعی مقام سمجھ میں آتا ہے اس کی پوری وضاحت کی جائے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی مدظلہم نے زیر تبصرہ کتاب میں اسی ضرورت کو فاضلانہ انداز میں پورا کیا ہے، اس کتاب میں پہلے لفظ "سنت" کے لغوی و اصطلاحی معنی اور قرآن کریم میں اس کے استعمال پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ پھر قرآن کریم کی دس آیتوں سے "سنت" کی حجیت ثابت کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے ہر آیت کے ذیل میں بیشمار متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے، اور اس ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی، فعلی اور اجتہادی عصمت پر مفصل کلام کرتے ہوئے سنت کی تشریعی اور تشریح دونوں حیثیتوں کو خوب

واضح کیا ہے۔ اس معاملہ میں مستشرقین یا مستغربین کی طرف
سے جو اعتراضات وشبہات پیش کئے جاتے ہیں، ان کا اطمینان
بخش حل بھی اس کتاب میں موجود ہے، اور اس طرح یہ کتاب
ہر اس شخص کے لئے نہایت مفید ہو گئی ہے جو "سنت" کی حجیت
کے بارے میں کسی قسم کے تردد کا شکار ہو۔ امید ہے کہ انشاء اللہ
اس کتاب کے ذریعے بہت سے دلوں سے شکوک و اوہام کے
کانٹے نکلیں گے اور یہ بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا
باعث بنیں گی۔ (م۔ ت۔ ع)

میراث کی آسان و جامع کتاب

تالیف مولانا محمد السندی المدنی۔
ملنے کا پتہ: محلہ کلاں کوٹ متصل گبول باغ کراچی ۲
کتابت، طباعت عمدہ، کاغذ ادنیٰ سائز ۲۰x۳۰ صفحات ۱۱۲
قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے۔

یہ کتاب بلاشبہ اسم بامسمّٰی ہے۔ اصل میں مصنف نے پہلے
عربی زبان میں "التسہیل لعلم التوریث" کے نام سے ایک رسالہ لکھا
تھا، یہ اس کا ترجمہ ہے۔ اس میں علم میراث کے ضروری مسائل
بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں جنھیں یاد رکھنا آسان ہے
عربی ایڈیشن بھی مذکورہ پتہ سے مل سکتا ہے، جس حد تک تبصرہ نگار
نے اسے دیکھا، مسائل مستند پائے۔ عصبہ مع الغیر کی تعریف جو
ص ۴۳ پر بیان کی گئی ہے اس کا الفاظ سے شبہ ہوتا ہے کہ بہن
کو عصبہ بنانے والی بیٹی خود بھی عصبہ ہوتی ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں
اس لئے تعریف کو واضح کر دینا چاہئے۔ (م۔ ت۔ ع)

بریلی کا نیا دین

مؤلفہ مولانا ریحان الدین صاحب قاسمی، ناشر ساجد بک ایجنسی۔
پی۔ آئی۔ بی کالونی کراچی ۵، کتابت، طباعت، کاغذ عمدہ
سائز ۲۰x۳۰/۱۶ صفحات ۹۶، قیمت اعلیٰ کاغذ ایک روپیہ
پچاس پیسے، رف کاغذ ایک روپیہ بارہ پیسے صرف

اس کتابچہ میں اختصار کے ساتھ بریلوی حضرات کے
بنیادی نظریات پر گفتگو کی گئی ہے۔ علم غیب، حاضر و ناظر
وغیرہ عقائد پر مختصر مگر دلپذیر بحثیں اس میں آگئی ہیں۔ مصنف
نے شروع میں لکھا ہے کہ ان کا مقصد مناظرہ و جدال نہیں بلکہ
برادرانہ افہام و تفہیم ہے۔ ان کی یہ حسن نیت قابل مبارکباد
ہے۔ لیکن کہیں کہیں ان کے انداز بیان میں غیر ضروری تلخی آگئی ہے
اگر وہ نظر ثانی کے وقت پوری کتاب کے اسلوب کو خالص مصلحانہ
بنا دیں تو انشاء اللہ کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی (م۔ ت۔ ع)

رباعیات قدسی

مرتبہ سید افتخار حسین ناطق ایم اے ایل ایل بی
ناشر مکتبہ قدسی اے ایم ۵ فریر روڈ
کراچی ۱، کتابت وطباعت نہایت عمدہ عکسی سائز ۲۰x۳۰/۱۶
صفحات ۸۰ قیمت دو روپے پچاس پیسے۔ بیسویں صدی کی بالکل
ابتداء میں سید اسد الرحمٰن صاحب قدسی کے نام سے کوئی صوفی
بزرگ گذرے ہیں جو شاعر بھی تھے اس مجموعہ میں ان کی رباعیات
کا انتخاب جمع کیا گیا ہے۔ رباعیات زیادہ تر تعلق مع اللہ اور
ذکر و فکر آخرت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ اور بعض رباعیوں کو
پڑھ کر شعری ذوق بھی لطف محسوس کرتا ہے، چند رباعیاں
ملاحظہ ہوں۔

صد رونق بزم شادمانی تو ہے
تسنیم کی کیف زا روانی تو ہے
ہر برگ گل تر ہے تجھی سے رنگیں ص ۱۶
ہاں گلشن قدرت کی جوانی تو ہے

ص ۱۲ اس کعبہ کا سنسان ہی رہنا اچھا
آباد یہ ہو جائے تو بت خانہ ہے

تسکین دل حزیں عطا کر مجھ کو
تصویر کوئی حسین عطا کر مجھ کو
ویران پڑی ہوئی ہے جاں کی بستی ص ۲۶
خالی ہے مکاں، مکیں عطا کر مجھ کو

ہر لفظ میں نغمات جوانی، توبہ!
پھر اس پہ محبت کی کہانی، توبہ! ص ۶۲
ہر شعر پہ دل مست ہوئے جاتے ہیں
توبہ مری رنگین بیانی توبہ!

از زیست بہ مرگ آرمیدن اولیٰ
از وادیٔ پُر فضا دمیدان اولیٰ
در دیدۂ ظاہری چہ آید قدسی
از دیدنِ یک دمے نہ دیدن اولیٰ

بہت سی رباعیاں شعری نقطۂ نظر سے خام اور بے کیف بھی اس مجموعے میں جمع کردی گئی ہیں، اگر جناب قدسی کے پورے کلام میں سے کوئی صاحب ذوق صرف معیاری حصہ منتخب کرکے شائع کردیں تو ادبِ اردو میں ایک اچھا اضافہ ہوگا (م۔ت۔ع)

کلمۃ الحق از حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ناشر مکتبہ غزالی متصل فرقانیہ مسجد جیکب لائن کراچی ۳، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۴۸ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت پچاس پیسے۔

یہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی ان تقریروں اور بیانات کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو موصوف نے گذشتہ ایک سال میں قید و بند سے رہائی کے بعد جاری فرمائے ان تقاریر میں تعمیر پاکستان کے لئے علماء دین کی جد و جہد ان کی بنیادی دعوت اور تجدد و تحریفِ دین کے فتنوں پر گفتگو کی گئی ہے، شروع میں ناشر نے حضرت مولانا تھانوی کی مختصر سوانح حیات بھی لکھی ہے۔ (م۔ت۔ع)

ادارۂ تبلیغ دین کے رسالے یہ مولانا عبدالوہاب صاحب کے لکھے ہوئے سولہ سولہ صفحات پر مشتمل دو رسالے ہیں۔ ایک کا عنوان ہے "اسلام اور دولت" جس میں اکتسابِ زر سے متعلق اسلامی ہدایات بیان کی گئی ہیں اور دوسرا "جنگ اور اسلام" ہے جس میں اسلام کے احکام جہاد کا تذکرہ ہے ادارۂ تبلیغ دین اندھی کھوئی ملتان سے طلب کئے جاسکتے ہیں قیمت درج نہیں، غالباً مفت تقسیم کے لئے ہیں۔

اسلام کی عالمگیر تعلیمات ۴۸ صفحے کے اس کتابچے میں مختلف اسلامی تعلیمات پر مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے کچھ مضامین جمع کئے گئے ہیں، مضامین اصلاحی ہیں اور ان میں اسلام کی متفق علیہ تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ البتہ مشروع میں ایک نعت دی گئی ہے جس کے معنوی لحاظ سے بعض اور شاعری کے نقطۂ نظر سے تمام اشعار سخت قابل اعتراض ہیں۔ یہ کتابچہ انجمن محبان اسلام سبز مسجد صرافہ بازار کراچی ۲ نے شائع کیا ہے، انجمن کے کارپرداز حضرات کو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ اسی قسم کے خالص اصلاحی اور متفق علیہ مضامین شائع کرتے رہیں اور اختلافی بحثوں میں نہ الجھیں، اس وقت دین کا اہم ترین تقاضا بھی یہی ہے۔ (م۔ت۔ع)

فکر کے معمار

محمد عثمان حیدرآبادی
سال ہشتم۔ دارالعلوم کراچی

مستشرقین کی جانب سے منجملہ دیگر اعتراضات کے یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی آزادی سلب کر دی گئی ہے، اور اسے چار دیواری میں قید کر کے رکھ دیا ہے۔ اسے آزادی سے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کی آزادی سے محروم کر چھوڑا ہے، اور ہمارے آج کے متجددین بجائے اس کے کہ اس اعتراض کا جواب ان قوانین کو پیش کر کے دیتے جن میں اسلام نے عورت کے حقوق کو محفوظ رکھا ہے۔ اہل یورپ کی ہاں میں ہاں ملانے لگے اور احساس کمتری میں اس قدر مبتلا ہو گئے کہ ....

"انھوں نے کہا کہ عورت اور مرد میں کامل مساوات ہونی چاہئے، انھوں نے عرض کیا یہی ہمارا مذہب ہے۔ انھوں نے قوانین نکاح و طلاق پر اعتراضات کئے۔ یہ ان سب میں ترمیم کرنے پر تل گئے۔"

لیکن سوال یہ ہے کہ آزادئ نسواں آخر کس چیز کا نام ہے؟ آیا اسکا مطلب وہ ہے جو یونانیوں نے اختیار کیا کہ "کا

کام دیوی" (APHRODITE) کی پرستش تمام یونان میں پھیل گئی جس کی داستان ان کے خرافات میں یہ تھی کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے ہوئے اس نے تین مزید دیوتاؤں سے آشنائی کر رکھی تھی ......

اسی کے بطن سے محبت کا دیوتا کیوپڈ پیدا ہوا، جو ان دیوی صاحبہ اور ان کے غیر قانونی دوست کی باہمی لگاوٹ کا نتیجہ تھا

یا آزادی کا مطلب وہ ہے جو رومیوں نے اپنے قدیم تمدن و تہذیب کو چھوڑ کر اپنایا جس کے نتیجہ میں .... روم میں شہوانیت عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا تھیٹروں میں بے حیائی و عریانی کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لئے ضروری ہوگئیں ....

فلورا (FLORA) نامی کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کے برسرعام یک جا غسل کرنے کا رواج اس دور میں عام تھا۔ یا آزادی سے مراد وہ مغربی آزادی ہے کہ جس نے تمام معاشرتی سکون و اطمینان کو غصب کر لیا اور اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ جو ...... نکاحوں کا انجام طلاق و تفریق پر ہوتا ہے، منع حمل، اسقاط، قتلِ اولاد، شرح پیدائش کی کمی اور ناجائز ولادتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بڑی حد تک اسی سبب کی رہین منت ہے، بدکاری، بے حیائی اور امراض خبیثہ کی ترقی میں بھی اس (مغربی آزادئ نسواں) کی کیفیت کو بڑا دخل ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو مقابلہ حسن میں لا کر اس کے تمام اعضاء محترم کی پیمائش کی جائے یا ورائٹی شو

ڈرامہ اور فلمی میلوں کے پس پردہ اس کے جسم کی نمائش کیجائے
اپنا دل بہلانے کے لئے اسے ایک کھلونا بنالیا جائے یا اسے
دفاتر، ہوسپٹل، ریسٹوران وغیرہ میں نوکری کا حق دے کر
خود کو اس کے نان ونفقہ کے فکر سے آزاد کیا جائے اور
عورت کو ان جگہوں کا سامان زیبائش بنایا جائے۔

اگر آزادی مذکورہ امور میں سے کسی ایک کا نام ہے
تو واقعی اسلام میں اس طرح کی آزادی کی گنجائش نہیں، اور اسلام
ایسی آزادی دینے سے قاصر ہے۔ اور اگر آزادی نسواں۔
عورت کو کچھ ایسے حقوق دینے کا نام ہے جن سے وہ معاشرہ
میں ایک بہتر درجہ حاصل کرسکے، اسے عزت واحترام کی
نگاہ سے دیکھا جائے۔ جن سے وہ اپنی تمدنی زندگی میں راحت
سکون اور اطمینان محسوس کرے جن سے وہ معاشی اعتبار
سے اپنے نان ونفقہ، پوشاک اور قیام کے غم سے آزاد ہو
اور اسے بیٹھے بٹھلائے یہ سہولتیں حاصل ہوں، تو اس بارے
میں ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر اس قسم کی آزادی
اور حقوق عورت کو اسلام نے دیئے اس سے پہلے کسی نے نہیں دیئے

اس مضمون میں ہم ان تمام قوانین کو نہیں سمو سکتے جن
میں عورت کے حقوق کی رعایت کی گئی ہے، البتہ کچھ قوانین
بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کریں گے جن سے معلوم ہوسکے کہ اسلام
نے عورت کو کیا کیا حقوق دیئے۔

(۱) انسان کی خوشیوں اور مسرتوں کا دارومدار اس کے
جینے پر ہوتا ہے، اسلام نے عربوں سے عورت کو اولاً جینے
کا حق دلایا، جو کہ اسلام سے پہلے لڑکی کو پیدا ہونے کے بعد
اس لئے زندہ درگور کردیا کرتے تھے کہ کہیں کوئی ہمارا داماد نہ
بن جائے: مگر اسلام نے اس فعل کی سخت مذمت کی اور اسے
جرم قرار دیا۔ اس طرح ان سے عورت کو جینے کا حق دلایا۔

(۲) قبل الاسلام عربوں میں عورت کی طلاق کی کوئی حد
مقرر نہیں تھی کہ جس کے بعد عورت کو طلاق دینے والے مرد سے
چھٹکارا حاصل ہوسکے۔ بلکہ وہ لوگ عورت کو جب چاہتے طلاق
دیدیتے اور پھر رجوع کرلیتے، اور اس طرح عورت کو اذیت
پہنچاتے تھے۔ اسلام نے آکر طلاق کی ایسی مقدار مقرر کردی
کہ جس کے بعد زوج رجوع کرسکتا ہے، چنانچہ فرمایا۔
اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ یعنی وہ طلاقیں جن کے بعد شوہر رجوع کرسکے
دو ہی ہیں...... فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ
حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، یعنی پس اگر تیسری طلاق دیدی
ان پہلی دو طلاقوں کے بعد تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے
جو اس عورت سے وطی کرے اور طلاق دے اس کی عدت
گذرے تب یہ عورت زوج اول کے لئے حلال ہوگی)

اس حکم سے ایک ایسی تعداد مقرر کردی کہ عورت ایسے
بے قدرے شوہر سے نجات پاسکے۔ اس طرح اس اذیت سے
عورت کو نجات دلائی۔

(۳) اسلام سے قبل عربوں میں عورت کے لئے میراث
نہیں تھی (جلالین ج ۱ ص ۷۰ حاشیہ ۱۳)
وہ کہا کرتے تھے کہ میراث تو جنگ میں شریک ہونے والوں کا
حق ہے، اور عورتیں جنگ میں شریک نہیں ہوتیں تو میراث
کی حقدار کیونکر ہوں؟

لیکن اسلام نے جہاں مرد کو وارث قرار دیا، وہاں
عورت کو بھی حقدار قرار دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا
لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا، پ ۴ ع ۱۲
یعنی اللہ نے میراث مرد و عورت دونوں کے لئے
فرض کیا خواہ مال کم ہو یا زیادہ۔

نہ صرف حقدار قرار دیا بلکہ وارث قرار ہونے میں عورت کے
آٹھ رشتہ اور ان کے حصے مقرر کئے گئے جبکہ مرد کے صرف
چار رشتہ اور حصص مقرر کئے گئے، جن کی تفصیل یہ ہے:
مرد جن کا حصہ مقرر ہے (۱) باپ، (۲) دادا، نانا
(جبکہ باپ نہ ہو۔ (۳) ماں شریک بھائی؛ (۴) شوہر۔

عورتیں جن کا حصہ مقرر ہے۔ بیوی، بیٹی، پوتی (بشرطیکہ بیٹی موجود نہ ہو) حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، والدہ، دادی یا نانی (سراجی صـ۷) حصص کی تفصیل سراجی صـ۲۰ فصل فی النساء میں دیکھئے)

یہ تو وہ چند حقوق تھے جو عرب قوم اپنی جہالت کی بناء پر غصب کئے ہوئے تھی، اور تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ اسی طرح دوسری قوموں میں بھی عورت کو کوئی قابل قدر مقام حاصل نہ تھا

(۴) اسلام نے عورت پر ایک طرف اس کی عزت وآبرو اور عصمت کی حفاظت کے لئے پردہ کا حکم لگایا تاکہ وہ ان فتنوں سے محفوظ رہے جو بے پردگی کی صورت میں رونما ہوسکتے ہیں۔

(۵) دوسری طرف عورت کو پیدائش سے لیکر موت تک اپنے معاش کے فکر سے آزاد کر دیا بایں طور کہ (الف) جب بچہ چھوٹا ہو تو اس کا نفقہ باپ پر ہوگا، ہدایۃ جلد ۲ صـ۴۲۲۔

یہاں بھی عورت کو بحیثیت ماں ہونے کے نفقہ اولاد کا مکلف نہیں بنایا حتی کہ...... اگر بچہ شیر خوار ہو تب بھی والدہ کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن ہو) (ہدایۃ ایضاً)

اور جب بچہ بالغ ہوا تو لڑکے کے نفقہ سے تو والد کو آزاد کر دیا مگر لڑکی کا نفقہ بدستور برقرار رکھا تا وقتیکہ شادی کی شکل میں اس کے معاش زندگی کا دوسرا انتظام نہ ہو جائے۔

(ب) جب شادی ہوگئی تو عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ لگایا گیا اور ساتھ ساتھ لباس اور قیام کا انتظام بھی اسی کے ذمہ لگایا (ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۷)

(ج) اگر زوجین فقیر ہوں یا ضعیف ہوں (جس کی وجہ سے اپنے نفقہ کا انتظام نہ کر سکیں) تو اولاد پر جہاں باپ کا نفقہ ضروری قرار دیا گیا وہاں ماں کا نفقہ بھی ضروری قرار دیا گیا۔ اسی طرح اگر دادا فقیر کا نفقہ پوتے پر واجب قرار دیا تو دادی فقیرہ کو بھی نہیں بھلایا گیا، (ہدایہ ج ۲ ص ۲۲۵)

(د) اگر اولاد نہ ہو تو دیگر ایسے ورثاء پر جو ان کی موت کے بعد وارث بن سکتے تھے ان کے نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی

(مختصر القدوری صـ۱۹۲)

اگر عورت کا کوئی نفقہ برداشت کرنے والا نہ ہو تو اسلام نے کہا کہ...... لاوارث عورتوں کا انتظام بیت المال سے کرنا چاہیئے۔ یہ حقوق دے کر عورت کو اسلام نے جیتے دم تک فکر معاش سے آزاد کر دیا۔

(۶) پھر گھر میں رہنے کا حکم کوئی جاہلانہ رواج نہیں جس میں گنجائشوں کا کوئی پہلو نہ ہو، بلکہ اسلام حاجات وضروریات کے لئے (شرعی حدود میں رہ کر) نکلنے کی پوری اجازت (دیتا) ہے ...... ضروریات وحاجات سے شریعت کی مراد ایسی واقعی حاجات وضروریات ہیں۔ جن میں درحقیقت نکلنا اور باہر کام کرنا عورتوں کے لئے ناگزیر ہو (پردہ صـ۳۳۲)

(۷) جب لڑکی بالغ ہو جاتی ہے تو اس کی جنسی امنگوں کے جائز طریقے سے پورا کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے: اسلام نے اس کے لئے والدین کو حکم دیا کہ لڑکی کی شادی بلوغ کے بعد جلد از جلد کی جائے تاکہ وہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہو جائے: اگر والدین بلا مجبوری کے تاخیر کرتے ہیں تو ان کے لئے سخت وعید فرمائی گئی (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۱)

(۸) اگر عورت کسی شخص سے بلوغ کے بعد نکاح کرنا نہ چاہے تو والدین یا دیگر اولیاء اسے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتے: (ہدایہ جلد ۲ ص ۲۹۳) تاکہ عورت کا مستقبل تاریک نہ ہو بلکہ اس کے مستقبل کا خیال کرتے ہوئے اسلام نے یہاں تک آزادی دی کہ..... اگر عاقلہ بالغہ لڑکی کسی مرد سے نکاح کرلے تو اس کو درست قرار دیا اگرچہ اس کے اولیاء اس پر راضی نہ ہوں۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۳، ۲۹۴) (بشرطیکہ اس کے کفو سے گرا ہوا نہ ہو۔ صرف ایسی صورت میں ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ (پردہ)

(۹) عورت کو زوج سے نکاح میں دیتے ہوئے۔ مرد پر ایک مقدار مال فرض کی گئی (جس کو فریقین آپس میں مقرر کریں) کہ اس قدر مال عورت کو دینا ضروری ہے (اس مال کو اصطلاح شرع میں مہر کہتے ہیں) یہاں تک کہ اگر اس کے بغیر نکاح کیا گیا تب بھی

یہ مال معاف نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ رخصتی ہو چکی ہو یا شوہر فوت ہو جائے۔

(ہدایہ ج ۲ ص ۳۰۴)

(۱۰) عورت کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہے تو مہر لئے بغیر مرد کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ جبکہ مہر معجل ہو۔

نیز اگر عورت اس صورت میں شوہر کے ساتھ سفر نہ کرنا چاہے تو بھی زوج اسے مجبور نہیں کر سکتا (ہدایہ ج ۲ ص ۳۱۴)

(۱۱) عورت مہر معجل کو جب چاہے وصول کر سکتی ہے۔

اس قانون سے عورت کو ایک فائدۂ عظیم حاصل ہوا، کہ شوہر اس قانون کو جانتے ہوئے عورت کو ہر قسم کا آرام دینے کی کوشش کرے گا۔ چونکہ اس کی ناراضگی کی صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں مہر نہ مانگ بیٹھے۔

(۱۲) جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے۔ اب اگر ایک مرتبہ نفقہ مقرر ہونے کے بعد شوہر نفقہ نہیں دیتا تو بیوی کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ عدالت اسلامیہ میں مقدمہ دائر کرے۔ اور عدالت کے ذمہ لازم قرار دیا گیا کہ وہ زوج سے نفقہ دلائے۔

(۱۳) اب اگر شوہر خوش حال ہونے کے باوجود نفقہ دینے سے انکار کرے تو ایسی صورت میں اسے قید کیا جائیگا

(ہدایہ ج ۳ ص ۱۳۷ وایضاً حاشیہ ۱۷)

(۱۴) لیکن اگر زوج کا نفقہ ادا نہ کرنا اس کی تنگدستی کی وجہ سے ہے تو بھی عورت کا حق ضائع ہونے نہیں دیا جائے گا بلکہ..... اس سے کہا جائے گا کہ تو شوہر کے نام پر کسی سے قرضہ لیتی رہ اور اپنی زندگی چین وسکون سے گذار (ہدایہ ج ۳ ص ۴۱۹)

اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو عدالت خاص حالات میں نکاح بھی فسخ کر سکتی ہے (الحیلۃ الناجزہ)

(۱۵) اگر زوج ناکام ہو تو عورت کو اختیار دیا گیا کہ عدالت سے رجوع کرے اور عدالت زوج کو ایک سال کی مہلت دے اگر ٹھیک نہ ہو سکے تو عورت کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا۔ (ہدایہ جلد ۲ ص ۴۰۰)

(۱۶) معاشرہ میں مسلمان عورت کو ایک محترم ومکرم شخصیت قرار دیا گیا، حتیٰ کہ اگر کوئی اس کے عفیفہ ہوتے ہوئے اس کی پاکدامنی کو داغدار کرنا (یعنی زنا کا الزام لگائے) چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ گواہ لا کر اپنے دعویٰ کو ثابت کیجئے، اگر وہ اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکا تو اس کو اسی کوڑے کی سزا دی جائیگی۔ جسے اصطلاح شرع میں حد قذف کہتے ہیں (ہدایۃ جلد ۲ ص ۵۰۹)

(۱۷) نہ صرف اجنبی کے مقابلہ میں عورت کو اپنی عصمت برقرار رکھنے کا حق دیا گیا بلکہ اگر اس کا شوہر بھی زنا کا الزام لگائے تو اس کو بھی نہیں بخشا جائے گا (باوجودیکہ وہ اس کا خرچ برداشت کرتا ہے) اگر یہ بھی اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکا، تو ایک خاص طریقہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح فسخ کر دیا جائیگا جسے اصطلاح شرع میں لعان سے تعبیر کیا گیا (ہدایہ ج ۲ ص ۳۹۶) وجہ یہ ہے کہ نکاح سے مقصود ایک دوسرے کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہونا ہے اور لعان کے بعد زوجین کا ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ چکا جس کی وجہ سے مقصد نکاح فوت ہوتا ہے اس لئے فسخ نکاح کا حکم دیا گیا۔

(۱۸) آج اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے والے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے کہ ان کے پیشرؤں نے عورت کو حالت حیض میں (جو کہ اس کی غیر اختیاری شئی ہے) معاشرے میں رہنے کا حق نہیں دیا تھا اور اس حالت میں اسے گھر کے ایک کونے میں بٹھا چھوڑتے تھے۔ نہ ساتھ کھاتے نہ ساتھ پیتے۔ نہ ساتھ اٹھتے بیٹھتے۔

دوسری طرف نصاریٰ تھے کہ ہر چیز کو اس حالت میں جائز سمجھتے تھے حتیٰ کہ جماع کو بھی (جلالین ج ۱ ص ۳۳) (حالانکہ طب کی رو سے اس حالت میں جماع کرنا عورت کے لئے سخت مضر ہے) لیکن قربان جائیے اسلام کے کہ جس نے آکر ایک طرف عورت کے وہ تمام معاشرتی حقوق برقرار رکھے جو اس حالت سے پہلے تھے اور جنہیں یہودیوں نے غصب کیا ہوا تھا

دوسری طرف جماع سے اس حالت میں منع فرمایا جو کہ اس کیلئے مضر تھا اور نصاریٰ نے روا رکھ چھوڑا تھا، اور شارع علیہ السلام نے صاف طور پر فرمادیا۔ اصنعوا کل شیٔ الا النکاح الحدیث (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۶)

یعنی جماع کے علاوہ سب کچھ (کھانا، پینا۔ اٹھنا، بیٹھنا) کرسکتے ہو۔

(۱۹) اگر عورت کو ایک شوہر نے طلاق دیدی۔ اور عورت حلالہ کرنے کے بعد اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہے اور دونوں اس پر راضی ہو جائیں تو کسی ولی کو اجازت نہیں کہ وہ عورت کو اس کام سے روکے۔ اسی حکم کو سیقول پارہ کے رکوع ۱۴ میں بیان فرمایا۔

(۲۰) دیوانی اور فوجداری کے قوانین میں عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات قائم کی گئی ہے۔ جان و مال اور عزت کے تحفظ میں اسلامی قانون عورت اور مرد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتا۔

عورت کو جو تحفظ عزت کا حق اسلام نے دیا، اس کی تفصیل ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں اور مالی تحفظ کا معنی یہ ہے کہ جس طرح مرد کا مال ضائع کرنے والے سے اس کا تاوان لیا جاتا ہے اسی طرح عورت کا مال ہلاک کرنے والے سے بھی تاوان لیا جائے گا۔

جانی تحفظ جانی تحفظ کا مطلب یہ کہ اگر کسی نے عورت کو عمداً قتل کردیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا خواہ قاتل مرد ہو یا عورت (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۰۳۔ جلالین ج ۱ ص ۲۵)

بدلیل یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔

(۲۱) طلاق کی صورت میں جبکہ زوجین میں تفریق ہو جاتی ہے، چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق عورت کو دیا گیا۔ (ہدایہ جلد ۲ ص ۴۱۳، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۳)

تاکہ بچہ کی فرقت کی وجہ سے ماں کی مامتا مجروح نہ ہو۔

(۲۲) اگر کسی عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے اور اس کا مال دوسرے آدمی کے پاس رکھا ہو اور زوجہ قاضی کی عدالت میں طلب نفقہ کا مقدمہ دائر کرے تو قاضی عورت کے لئے نفقہ اس مال سے مقرر کردے گا (ہدایۃ جلد ۲ ص ۴۲۱)

(۲۳) اگر ایک مسلمان کسی کافر حربی کو پناہ دیدے تو تمام مسلمانوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کافر کو پناہ دیدیں یعنی کوئی ایسی تکلیف نہ دیں جو معاہدہ کے خلاف ہو۔ اس بارے میں بھی اسلام نے عورت و مرد دونوں کی پناہ معتبر مانی، چنانچہ جس طرح ایک مسلمان مرد کے پناہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ سمجھا جاتا اسی طرح ایک عورت مسلمہ کے پناہ دینے کو عام مسلمانوں کا پناہ دینا قرار دیا گیا (مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۴۷)

اس مختصر مضمون میں عورت کے کچھ حقوق کو ذکر کیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو بے شمار حقوق دیئے جن کو ذکر کرنے کے لئے سیکڑوں صفحات کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اسلام کے عطا کردہ حقوق سے چشم پوشی کرتے ہوئے آجکل ایسی آزادی کو حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو معاشرہ کیلئے بے حد مضر ہے (جن ممالک میں یہ آزادی دی گئی ان کے معاشرہ کا مطالعہ کرکے عبرت حاصل کیجئے) اسلام کا اصولِ آزادیٔ نسواں بالکل بے گرد و غبار ہے۔ وہ یہ کہ عورت کو وہ تمام حقوق دیئے جائیں جو ایک انسان کو اپنی زندگی بنانے کے لئے ضروری ہیں لیکن اس قسم کی آزادی دینے سے پرہیز کیا جائے جو معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہو سکتی ہو۔

چنانچہ ایک طرف اسلام نے مذکورہ حقوق کے ساتھ ساتھ بیع و شراء، اجارہ و استجارہ، اعارہ و استعارہ۔ مزارعت و مضاربت۔ رھن و ارتھان۔ توکیل و کفالت، وغیرہ تمام عقود میں عورت کو قریب قریب وہی حقوق دیئے جو کہ مرد کو لیکن دوسری طرف اسے پردہ کا حکم بھی دیا تاکہ بے پردگی سے معاشرہ خراب نہ ہو!

جو حضرات عورت کی آزادی کے نام پر مغربی تہذیب کی تمام لعنتیں ہمارے معاشرے کیلئے [illegible]

احاطۂ دار العلوم میں

حضرت مفتی صاحب کی سفرِ حج سے واپسی

۵ محرم ۱۳۸۸ھ مطابق ۴ اپریل ۱۹۶۸ء کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم صدر دار العلوم کراچی اور مولانا قاری رعایت اللہ صاحب مدظلہم ناظم اعلیٰ دار العلوم کراچی حج کے مبارک سفر سے وطن واپس تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ہمراہ ان کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ جناب محمد ذکی صاحب بھی حج کیلئے تشریف لیگئے تھے، ہوائی اڈے پر سیکڑوں عقیدتمند اصحاب نے حضرت مفتی صاحب اور ان کے رفقاء کا استقبال کیا، ہوائی اڈے پر حضرت مفتی صاحب نے تمام حاضرین اور مسلمانانِ عالم کیلئے دعا کرائی، حج سے واپسی پر دار العلوم کی مسجد میں انھوں نے سفرِ حج کے تاثرات بیان فرمائے اور بتایا کہ امسال حج کے موقعہ پر مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا، پندرہ لاکھ افراد اس مقدس عبادت سے بہرہ اندوز ہوئے، یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ تین لاکھ کے شہر میں پندرہ لاکھ افراد کی موجودگی کے باوجود وہاں اشیاء ضرورت کی غیر معمولی فراوانی رہتی ہے، ٹریفک کے حادثات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ چوری، ڈاکہ اور دوسرے جرائم کا نام و نشان نہیں ملتا،

شیخ محمد عمر داعوق کی تشریف آوری

۹ محرم لبنان کے نوجوانوں کی مشہور تبلیغی تنظیم "جماعت عباد الرحمٰن" کے امیر جب دار العلوم میں تشریف لائے تو آپ کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز دار العلوم کے بچے قراء نے کلام پاک کی تلاوت سے کیا۔ شیخ محمد عمر صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ آجکل کے نوجوان جدید تہذیب کے دھارے میں بہہ رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مذہب سے دور ہوتے جارہے ہیں، ان کا دین سے غافل ہونا مسلمانوں کے لئے سخت تشویش کا باعث ہے۔ انھوں نے دار العلوم کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ جس انداز میں دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔ آپ نے بچوں کی فراست سے متاثر ہوکر ان کی ہمت افزائی کے لئے ذاتی طور پر انعامات بھی دیئے۔

انھوں نے جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے ابتدائی قرآنی تعلیم اور اسلامی تہذیب سے روشناس کرانے کے بعد وہ گاؤں اور شہروں میں، اسکولوں اور کالجوں میں جاکر نوعمر طلبا و طالبات کو اسلامی تعلیمات کا درس دیتے ہیں، اس جماعت کے فارغ التحصیل طلباء و طالبات اپنے اساتذہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ فرصت کے اوقات میں اسلام کی خدمت کریں گے ——— میں آپ لوگوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ فارغ ہونے کے بعد آپ بھی اپنے ملک میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔